روحانیت کے بلند ترین خیالات کا پرچارک

رسالہ "اوم" دہلی

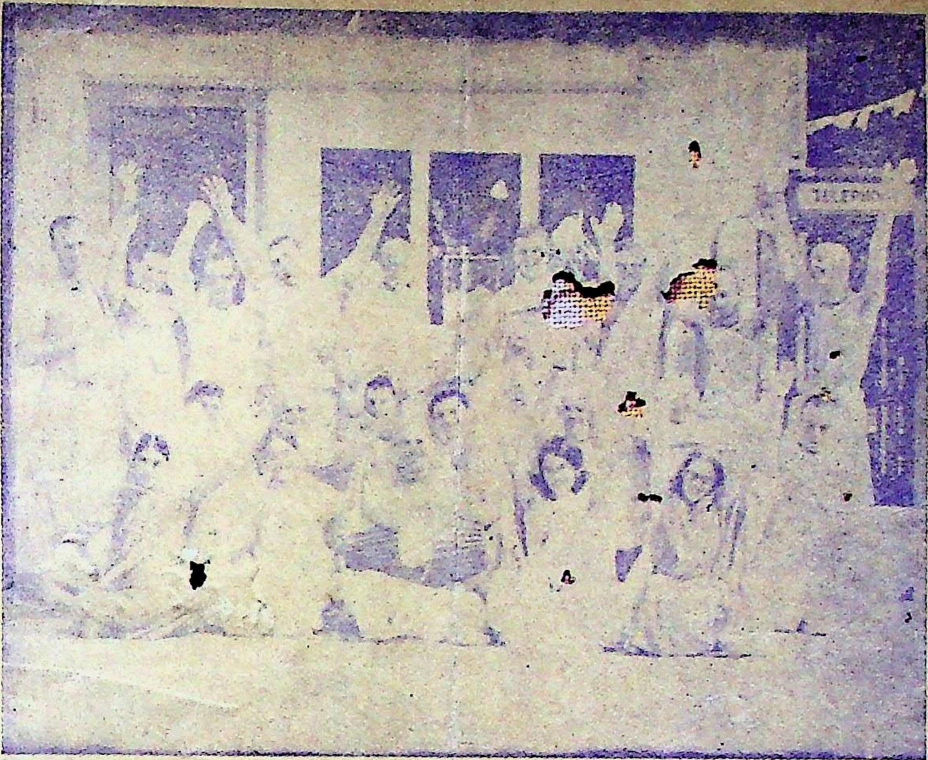
Sept, 1970



گئو رکھشا نمبر

Price Rs. 1-10

Editor : G.N. NANDA



न्यूयार्क अमेरिकामें वहाँके नर-नारी भक्त कीर्तन कर रहे हैं।



लन्दनके एक पार्कमें वहाँके नर-नारी भक्त कीर्तन कर रहे हैं।

روحانیت کے بلند ین خیالات کا پرچارک

گئورکشا نمبر

اوم
دہلی
اندرون بازار اجمیری گیٹ

فہرست مضامین

بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۷۰ء

نمبر	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
۱	بھگوان کب آتے ہیں (نظم)	بھگت لچھمن داس جی تبسم	۲
۲	گئورکھشا	ایڈیٹر	۳
۳	گوردھن اور گوپال	کوی لوکناتھ دل	۶
۴	گئوہتیا کے خلاف آواز	کانگریس کے پہلے نیتا گن	۱۴
۵	پاپی کے مارنے کو خود پاپ ہی ملی ہے	امیر الشعراء دیوان بنڈ بداس قمر	۱۶
۶	ملک ایران اوم گائے	شری اوم پرکاش گپتا	۱۷
۷	گئو ایک امریکن کے وچار میں	مترجم شری مدن لال بھمبڑی	۱۸
۸	ویشو گیت	شری لچھمن ناتھ صفی بی اے. بی ٹی	۲۰
۹	ڈاکٹر ڈیوڈسن کی کرشن بھگتی	ایضاً	۲۲
۱۰	مرلی منوہر (نظم)	شری روشن پٹیالوی	۲۵
۱۱	مہلک مادی تہذیب	دیوان بنڈ بداس چوپڑہ	۲۶
۱۲	ہندو دھرم کا سروناش نہ کرو	شری کے ایم منشی	۲۷
۱۳	ہندو ویر سے خطاب	شری موہن لال مستانہ	۳۱
۱۴	لنڈن اور امریکہ میں سناتن دھرم کا پرچار	شری سوامی اے سی بھکتی ویدانتا سوامی مہاراج	۳۲
۱۵	سادھو مہاتما بیدار ہوں	شری برجیش جی	۳۶
۱۶	مشرقی ترکستان میں مسلمانوں کا قتل عام	جناب عیسیٰ یوسف کی زبانی	۳۷
۱۷	گھور کلجگ	ایڈیٹر	۳۸
۱۸	بھگوان سے پیار تھا	ماخوذ	۳۹
۱۹	ایشا واسیہ اپنشد	مترجم شری جسونت رام جی	۴۱
۲۰	حسن جدا	ڈاکٹر مدن گوپال سنگل	۴۵
۲۱	خطوط گوبند	شری سوامی گوبند آنند جی مہاراج	۴۶
۲۲	سنسار کی پیدائش	باوا نگینہ سنگھ جی بیدی	۴۸
۲۳	نقش جنم	شری کرپال سنگھ جی ایم. اے	۵۱
۲۴	التجا	شری بنسی دھر ویر	۵۳
۲۵	ایک نام تمہارا کافی ہے	شری ستگورپرت جی	۵۳
۲۶	ست سنگ سمیلن	پروفیسر نند لال ایم. اے	۵۴
۲۷	باوا لال جی	شری خیراتی رام پوری	۵۶
۲۸	ویراگ	شری نند لال ایم. اے	۵۹

چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر 13/ روپے
بذریعہ وی.پی 14½ روپے
ممالک غیر کیلئے بذریعہ سمندری ڈاک
بائیس =/22 روپے
بذریعہ ہوائی ڈاک
چوالیس روپے =/44
رقم بذریعہ فارن منی آرڈر بھیجنے کی کرپا کریں

سمپادک
گورکھ ناتھ نندہ

باہتمام شری گورکھ ناتھ نندہ ایڈیٹر پرنٹر پبلیشر و مالک نے سوریہ فوٹو پریس ٹوڈی ہاؤس دہلی ۶ سے چھپوا کر دفتر رسالہ اوم اجمیری گیٹ مکان نمبر ۹۰۶ سے شائع کیا۔

(اوم)

بھگوان کب آتے ہیں؟

(بھگت لچھمن داس جی تبسم)

گھٹائیں آسماں پر بجلیوں سے کام لیتی ہوں
ستم پیشہ حق فروشی اور ریاکاری کا دیتی ہوں

شرر جگرا گلنے کی ہو قدرت جب فضاؤں میں
بلائیں پرورش پاتی ہوں اعدا کی نگاہوں میں

حقارت اور تنفر سے خدا کا نام لیتے ہوں
جنون فرقہ بندی پر ہزاروں روز مرتے ہوں

جہاں انسانیت کے بھیس میں شیطان بنتے ہوں
جہاں شیطان صفت انسان کو انسان کہتے ہوں

جہاں شیرازہ تہذیب پل بھر میں بکھر جائے
جہاں مہر و محبت کا جنازہ ہی نکل جائے

جہاں سکہ فریب و مکر و خونخواری کا چلتا ہو
جہاں تحمل کا قتل و خون سے ہی رنگ جمتا ہو

جہاں کلیاں شگفتہ ہونے پر بیمار ہو جائیں
جہاں غنچے بھی رنگ و بو کو پاکر خفا ہو جائیں

جہاں بحر گناہ گاری تلاطم خیز رہتا ہو
جہاں ظلم و ستم گاری کا دل پہروں بہلتا ہو

فلک پر گونجتی ہیں جب صدائیں بے نواؤں کی
خدا کو ڈھونڈتی ہیں جب دعائیں بے نواؤں کی

غم و آلام سے ساغر جونہی لبریز ہوتا ہے
خدائی جاگ اٹھتی ہے خدا کو جوش آتا ہے

نرالی قوت اعجاز سے بھگوان آتے ہیں
تبسم رنگیں جلووں میں کرشمے وہ دکھاتے ہیں

گئو ونش کی رکھشا

(ایڈیٹر)

گئو ونش۔ بھارتیہ دہرم۔ کرم۔ سنسکرتی۔ سبھیتا اور ارتھ ویوستھا کا مول منتر ہے۔ گائے کا دودھ۔ دہی۔ گھی۔ سب روگوں کے ناش کرنے کی اوشدھی ہے۔ گئو موتر اور گوبر میں لکشمی کا نواس ہے۔ مغربی سبھیتا سے پہلے تمام ہندو اپنے بھوجن شالا (چوکے) کو گئو گوبر سے پوتر کرتے تھے۔ جس سے ٹی۔ بی جیسی مہلک بیماریوں کے جراثیم ختم ہو جاتے تھے۔ گئو موتر سے پیٹ کی تمام بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ آنکھوں میں لگانے سے کالا موتیا دور ہو جاتا ہے۔ چرنامرت کی طرح روزانہ پینے اور جسم پر لگانے سے پھلبہری جیسا روگ بھی دور ہو جاتا ہے۔ ہندو شاستروں کے مطابق گئو کے شریر میں تمام دیوتاؤں کا نواس ہے۔ ہندوؤں کا کوئی یگیہ اس کے دودھ۔ گھرت کے بغیر نہیں ہوتا۔ پنچ گویہ سے آتم شدھی ہوتی ہے۔ ہر ایک تپ برت یوگ آدی کے لئے پنچ امرت ضروری ہوتا ہے۔

بھارت کے سناتن سروگیہ۔ مہان تپسوی۔ مہان ودوان۔ شاستروں کو قلمبند کرنے والے۔ رشی منیوں نے جنگلوں میں نواس کر کے اور صرف گائے کا دودھ پی کر تمام آیوروید کی اور آنے والی نسلوں کے لئے وید۔ شاستر۔ برہم سوتر اپنشد۔ رامائن مہابھارت۔ شریمد بھاگوت وغیرہ ایسا اتم لٹریچر مہیا کر گئے۔ جو کہ پرلے تک قائم رہیگا۔ گائے کے دودھ سے سمرنی یادداشت بڑھتی ہے۔ تندرستی قائم رہتی ہے۔ برہمچریہ دھارن کرنے میں مدد ملتی ہے۔ گائے کا دودھ پرم پوتر اور پرم ستوگن ہوتا ہے۔ اس سے تموگن کا ابھاو اور ستوگن کی بڑھتی اور من کو شانتی ملتی ہے۔ گئو دان سے سب پاپوں کا ناش اور سورگ کی پراپتی ہوتی ہے۔ گئو رکھشا سے پرماتما پرسن ہوتے ہیں اور گئو ہتیا سے ادھیاتمک ادھی دیوک ور ادھی بھوتک تمام قسم کی آپتیاں (مصیبتیں) آتی ہیں۔ کیوں کہ قدرت کی سرشٹی ماتر کو یہ ایک دین ہے۔ جب دیوتاؤں اور راکھشوں نے ملکر سمندر منتھن کیا تھا۔ تو سبھی جہاں لکشمی۔ ایراوت ہاتھی۔ امرت کا کلش۔ وش۔ کلپ برکش۔ وغیرہ پدارتھ نکلے تھے۔ وہاں کامدھینو گائے بھی نکلی تھی۔ اس لئے گائے تمام کامناؤں کو دینے والی اور سب سنسار کی ماتا ہے۔ بچے اور بوڑھے سب اسی کے دودھ سے پرورش پاتے ہیں۔ بھگوان رام کے پورو ج مہاراجہ دلیپ نے جنگل میں ننگے پاؤں گئوؤں کی سیوا کی۔ اور من واچھت پھل پایا۔ بھگوان کرشن نے شری برندابن دھام میں ننگے پاؤں چلکر گئوؤں کو چرایا۔ گئوؤں کے مستک پر تلک لگایا۔ پھول مالائیں چڑھائیں۔ اُن کے چرنوں کی رج کو اپنے مستک پر لگا کر تمام برج باسیوں کو گائے کی مہتتا ظاہر کی۔ ہندو راجیہ میں تو گئو ہتیا کرنے والے کو پھانسی کی سزا دی جاتی تھی۔ اور کشمیر کے ہندو راجاؤں نے اس پر عمل کیا۔ والئے جموں و کشمیر مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ایک گئو ہتیا کے لئے ایک گاؤں کا گاؤں ہی جلا دیا تھا۔ جموں اور کشمیر میں آج تک گئو ہتیا نہیں ہوتی مسلمانوں کے راجیہ میں بھی خاندان تغلق اور مغلیہ

عہد حکومت میں گئو ہتیا قانوناً بند رہی۔ جیسا کہ نامدیو جی کی کتھا سے ظاہر ہے۔ جو کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج ہے۔ جسکو رسالہ اوم میں شائع کیا جا چکا ہے۔

لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آزادی ملنے پر بیس بائیس سال کے عرصہ میں ہمارے مغرب زدہ ناستک حکمرانوں نے کروڑہا گئووں کی ہتیا کی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ :۔ "تپ سے راج اور راج سے نرک" ہملت ہے۔ مہاتما گاندھی جیسے تپسوی مہان پرش نے اپنے تپوبل سے اس بھارت ورش کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلائی۔ لیکن اسکے نام لیواؤں نے گئو ہتیا جیسے مہان پاپ سے اس دیش کے تمام پنیہ کرموں کو سواہا کر دیا۔ پاپ کرموں کے بڑھ جانے سے اب مصیبتوں کا پہاڑ سامنے کھڑا ہے۔ ہمارے نوجوان اب مہاتما گاندھی کی تصاویروں کو جلا کر ماؤ اور چاؤ کو اپنا لیڈر تصور کر چکے ہیں۔ اور اپنے دیش کو خود ہی تباہ و برباد کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ گویا "وناش کالے وپریت بدھی" والا معاملہ درپیش ہے۔ ماس آہار شراب اور دیگر نشیلی چیزوں کے استعمال سے دیش کا بیشتر نوجوان بدھی ہین ہو چکا ہے۔ اور بد اعمالوں سے اپنی صحت اور جوانی کو برباد کر رہا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کی بجائے اب سیاسی معاملات میں ٹانگ اڑا رہا ہے۔

"گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے مصداق ہمارے نوجوانوں کے ذریعہ دشمن ممالک کو تمام راز پہنچ رہے ہیں۔ اور نوجوان اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا چلا رہے ہیں۔ چین اور پاکستان حملہ کی پوری تیاری میں ہیں۔ وہ اپنے نوجوانوں کو ملٹری کی ٹریننگ دیکر اپنی فوج کو مضبوط بنا رہے ہیں۔ اور ادھر قومی سپرٹ رکھنے والے نوجوانوں پر قانونی پابندیاں لگائی جا رہی ہیں۔ کہ وہ اکٹھے ہو کر ورزش بھی نہ کر سکیں۔ دشمن کو سجن اور سجن کو دشمن سمجھا جا رہا ہے۔ گویا بدھی بھرشٹ ہو گئی ہے۔ "وناش کالے وپریت بدھی" اور یہ سب ہمارے پاپوں کا ہی پھل ہے۔ جب چھوٹے سے چھوٹا کرم بھی اپنا پھل دیئے بغیر نہیں رہتا۔ تو گئو ہتیا جیسے مہان پاپ کے پھل سے ہمارا دیش کیسے بچ سکتا ہے۔ کاش کہ ہمارے موجودہ مغرب زدہ رہنما اس بات کو سمجھیں اور گئو ہتیا کو فوراً بند کریں۔ ورنہ دیش تباہ ہو جاوے گا۔ ایسے لوگوں کی بدھی بھرشٹ ہو گئی ہے جو گئو ہتیا کو جاری رکھنے کی حسب ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔ جن کو صحیح الدماغ (سلیم العقل) انسان لغو اور بے بنیاد خیال کرتا ہے۔ اور دیش کی بربادی سمجھتا ہے۔

(1) اگر گئو ہتیا مکمل طور پر بند کر دی جائیگی تو دیش کے اندر مسلمان اور عیسائی جو گئو ماس کھاتے ہیں۔ انکو ماس پراپتی میں بادھا پڑے گی۔

(2) گئو کے چمڑے سے مضبوط چمڑے کے ابھاو سے جوتے بوٹ اور مشینیں چلانے میں بڑے چمڑے کے پٹے نہ ملینگے اور سب ہی مشینیں بند ہو جائینگی۔

(3) انیک چمڑے کے کارخانے بند ہو جائینگے۔ اور ان کے کرم چاری بیکار ہو جائیں گے۔

(4) گئو بیلوں کے خون چربی اور انتڑیوں سے انیک دوائیاں بنتی ہیں۔ گئو ہتیا کے بند کرنے سے یہ سب کاروبار بند ہو جائیگا۔

(5) گائے بیلوں کی بڑھتی سے اُن کے لئے چارہ کی سمسیا اُٹھ کھڑی ہوگی۔

(6) گائے بیلوں کے پالن اور نسل سُدھار کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ گئو بدھ کا نشیدھ کرنا چاہیئے۔

(7) گئو ہتیا بندی قانون سے مسلمانوں کے دھرم اور روزی پر اثر پڑے گا۔

مندرجہ بالا دلائل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہماری سرکار کو مسلمانوں کے لئے کتنی ہمدردی اور فکر ہے۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام معزز پڑھے لکھے مسلمان گئو مانس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ دراصل تو وہ سب ہندو ونش اور سناتن رشیوں کی ہی اولاد ہیں۔ اگرچہ اُن کے پوروجوں نے اورنگ زیب کے ظلم و ستم کے کارن مسلمانی مذہب کو اپنا لیا لیکن اُن کے رسم و رواج اور کھان پان تو ہندوؤں کے سے ہی رہے۔ لوہاری منڈی لاہور میں ایک مسلمان حکیم محمد حسین صاحب تھے۔ اُن کے گھر میں دو تین پیڑھیوں سے کبھی قسم کا مانس نہیں کھایا جاتا تھا۔ اور اُن کے بھوجن شالہ (چوکے) میں کوئی بچہ بھی جوتا لے کر نہیں جا سکتا تھا۔ ہاتھوں کو صابن اور مٹی سے صاف کرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا ہر ایک علیحدہ علیحدہ تھالی میں بھوجن کرتا تھا۔ یعنی شوچ اور پوترتا کے تمام نیم ابھی تک اُن میں موجود تھے ایسے ہی ہندوستان میں اچھے گھرانوں کے اسی فیصدی مسلمان ہندوؤں کی طرح صاف شفاف اور پوتر رہتے ہیں۔ اور وہ گئو مانس کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہماری حکومت کو مسلمانوں کی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ کہ وہ گئو ہتیا بند کرنے پر ناراض ہونگے اور جو چند مُسلمان ایسا مانس کھاتے ہیں۔ صرف اُنکی خوشنودی اور ووٹ حاصل کرنے کے لئے کروڑوں ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا اور اکثریت کی ووٹوں سے محروم ہو جانا۔ یہ سراسر نا اہلیت کا ثبوت ہے۔ اگر کوئی ہندو گئو ہتیا کرانے میں امداد یا اپنا خیال دیتا ہے۔ تو وہ ہندو دھرم سے پتیت ہو چکا ہے۔ اسکو ہندو تصور کرنا ایک زبردست غلطی ہے۔

ہندوؤں کی نظر میں گئو اُن کی ماتا ہے۔ اور دھارمک نقطہ نگاہ سے وہ اُسکی پوجا کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے گئو ہتیا کو جاری رکھنا ہماری سرکار کے لئے جو اپنے آپ کو سب دھرم اور مذاہب کو یکساں سمجھنے کا دعوہ کرتی ہے۔ ہرگز جائز نہیں۔ گئو ہتیا بند ہونے پر دودھ دہی مکھن بافراط ہوگا۔ جس سے ان سنکٹ بھی مٹ جائیگا۔ کھیتی کے لئے بیل زیادہ ہونگے اور خوراک کا مسئلہ حل ہونے پر پریوار نیوجن کا جھان پاپ بھی نہ کرنا پڑیگا۔ اور دیش کی شکتی بڑھیگی۔

ہر ہندو ماتر کو گئو رکھشا کے لئے اپنا تن من دھن لگا دینا چاہیئے۔ اور ایسی پارٹیوں کو ہرگز ووٹ نہیں دینا چاہیئے۔ جو گئو ہتیا کے بند کرانے میں اڑچن ڈال رہی ہوں۔

بولو گئو ماتا کی جے۔ پاپیوں کا کھے

دھرم کی جے ہو۔ ادھرم کا ناش ہو۔ پرانیوں میں سدبھاونا ہو۔

سالنامہ جنوری سنہ ۱۹۷۱ء "اپاسنا انک" کے نام سے منسوب ہوگا۔ لیکھک حضرات اپنے لیکھ ۱۵ اکتوبر تک بھیجنے کی کرپا کریں۔
(ایڈیٹر)

اوم اوم

گؤ ہماری ماتا ہے

(اس لئے گؤ رکھشا ہمارا دھرم ہے) (ایڈیٹر)

گائے دیا دھرم کی جیتی جاگتی مورتی ہے۔ اس غریب شریف جانور کیلئے ہمارے دلوں میں ہمیشہ ہمدردی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ یہ لاکھوں کروڑوں ہندوستانیوں کو پالنے والی ماتا ہے۔ گائے کی رکھشا کرنا ایشور کی تمام سرشٹی کی رکھشا پر بہت احسان ہے۔

گؤ رکشا ہندو دھرم کی دنیا کو دی ہوئی ایک قیمتی بھینٹ ہے۔ اور ہندو دھرم تب ہی تک رہیگا۔ جب تک بھارت میں گؤ رکشا کرنے والے موجود ہیں۔ گؤ رکشا ہمارا پہلا فرض ہے۔

میں خود گائے کو پوجتا ہوں اور اس کا احترام کرتا ہوں۔ گائے ہندوستان کی رکشک ہے۔ اس پر ہماری زندگی کا دار و مدار ہے یہ سینکڑوں طرح کے فیض پہنچاتی ہے۔ دیش کی بھلائی کے لئے مسلمانوں کو بھی گائے کی رکشا کرنی چاہیئے۔ اس میں انکی اپنی بھی بھلائی ہے۔

گائے کو بچانے کے لئے مجھے اپنی جان بھی دے دینی چاہیئے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہی ہمارا دھرم ہے۔"

(مہاتما گاندھی)

لالہ ہردیال جی ایم۔ اے نے فرمایا :-

اگر اس دیش میں ہمارا دھرم۔ ہماری پراچین سبھیتا اور دھارمک تعلیم نہ رہیگی تو پھر ہمارے لئے یہ دیش بیگانہ ہی ہوگا

سابق راشٹرپتی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے فرمایا۔

بے دھرم بے اخلاق ملک کا مستقبل آج بھی خطرے میں ہے اور کل بھی۔

زند اوستھا میں جو پارسیوں کی مقدس کتاب ہے۔ گائے کو قابل احترام کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسے قتل نہیں کرنا چاہیئے

رگ وید میں کہا گیا ہے۔ کہ گائے کا خاص طور پر احترام کرنا چاہیئے۔ گائے کو ذبح کرنے والے انسان نہیں بلکہ راکھشش ہیں۔

جو راکھشش۔ انسانوں کا۔ جانوروں کا اور گائے کا قتل کرتے ہیں۔ ان کا اگنی دیوتا (پرماتما) سر قلم کر دیتا ہے۔ یا دوسرے معنوں میں حکومت یا راجہ کا فرض ہے کہ ان کو پھانسی پر لٹکا دے (لیکن جہاں راجہ (حکومت) خود ہی گؤ ہتیا کرے وہاں تو پرماتما ہی ایسی حکومت کو نیست و نابود کر دیگا۔ ایسی حکومت کا تیج۔ بل اور وقار سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور دوسرے دیشوں کے راجے اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔

رگ وید میں لکھا ہے۔ اے عقلمند انسانوں! ہنسا۔ تشدد نہ کرو۔ کیونکہ پرماتما کبھی ان کی مدد نہیں کرتا۔

جو جانوروں کو قتل کرتے ہیں۔

یجر وید میں آیا ہے :۔ اے انسان! جانوروں کو قتل مت کر۔

اتھرو کہتا ہے :۔ وہ انسان پاگل ہیں جو جانوروں کا قتل کرتے ہیں۔

جو پکا ہوا گوشت یا انڈے کھاتے ہیں۔ وہ پرماتما سے بھرشٹ ہو جاتے ہیں یعنی روحانیت کی منزل سے گر کر نرک گامی بنتے ہیں۔

اتھرو وید میں راجہ کو ہدایت ہے کہ :۔ راجہ کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو اپنے راجیہ سے نکال دے جو گئوؤں کو قتل کرتے ہیں۔ یا زہر دیتے ہیں۔

یجر وید آگیا دیتا ہے۔ کہ گائے کے قتل کرنے والے کو موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہیئے۔

اتھرو وید میں بھگوان دھمکی دیتا ہے۔ کہ اے انسان! اگر تو نے ہماری گائیوں۔ گھوڑوں اور انسانوں کو قتل کیا تو ہم تمہیں مار دینگے۔ پھر فرمایا :۔ اگر کوئی گائے کو قتل کر کے اس کا گوشت کھاتا ہے۔ تو وہ اپنی موت کو دعوت دیتا ہے۔ (گائے کا دودھ امرت ہے۔ ٹی۔ بی جیسی لاعلاج امراض کو دور کرتا ہے۔ اور گائے کا گوشت ہزاروں بیماریاں پیدا کرتا ہے۔) جو کوئی گائے کو بے فائدہ یا ناکارہ سمجھکر اس کا گوشت کھاتا ہے۔ پرماتما اُس کے بچوں پوتوں اور لواحقین کو بھکاری بنا دیتا ہے۔ یجر وید میں آیا ہے۔ کہ گائے کو مارنے والے کو مار ڈالو۔

چانکیہ نیتی میں لکھا ہے :۔ گوشت خور۔ شرابی اور بے علم، انسان کی صورت میں حیوان ہیں۔ گئو۔ براہمن۔ گورو۔ آگ۔ لڑکی۔ بچہ اور بزرگ ان کو پاؤں سے ہرگز نہ چھوئیں۔ اگر غلطی سے کہیں پاؤں لگ جاوے تو ہاتھ جوڑے ورنہ پاپ کا بھاگی ہوگا۔

جس طرح سے پھول کی خوشبو۔ تِل میں تیل۔ دودھ میں مکھن۔ گنے میں رس دکھائی نہیں دیتا اسی طرح سے آتما ہر جیو جنتو میں موجود ہے مگر نظر نہیں آتا۔ جو پاپی منش۔ گائے اور براہمن یا کسی اور جیو کی ہتیا کرتا ہے۔ وہ دراصل پرماتما کا ہی قتل کرتا ہے۔

جس دیش میں براہمن کی عزت نہ ہوتی ہو۔ جہاں گئو ہتیا جیسا مہان پاپ ہوتا ہو۔ جہاں وید شاستر۔ اُپنشد۔ گیتا اور پوران کی کتھا نہ ہوتی ہو۔ جہاں پر پتروں کا شرادھ نہ ہوتا ہو۔ جہاں دان ہوتن وغیرہ نہ ہوتے ہوں۔ اُس دیش میں رہنا نہیں چاہیئے۔

ہر ایک کو اپنے کرموں کا پھل اوشیہ بھوگنا پڑتا ہے۔ اس لئے گیانی ہر کام سوچ وچار کر کرے۔ سانپ کے دانتوں میں مکھی کے سر میں اور بچھو کے ڈنک میں زہر ہوتا ہے۔ مگر پاپی کے سارے جسم میں زہر ہوتا ہے۔ اس لئے پاپی اتیا چاری گئو براہمن کا ناش کرنے والے لوگوں کی سنگت سے دور رہنا چاہیئے۔ دوسروں کو دکھ دینے سے مصیبتیں آتی ہیں اور دوسروں کا بھلا کرنے سے مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔

رسالہ کلیان ہندی گورکھپور میں ایک نسخہ چھپا تھا کہ :۔ ۳۲ پتے تلسی پاؤ بھر گائے کے دہی میں کھرل کر کے بلا نمک ورپلا پیتی کے روزانہ ۲۱ دن صبح شام استعمال کرنے سے کینسر CANCER جیسا موذی روگ بھی دور ہو جاتا ہے۔ ۲۱ دن صرف گائے کا دودھ اور دہی یا پھل وغیرہ استعمال کریں۔

مسلمانوں کی متبرک کتاب حدیث شریف میں لکھا ہے۔

لحم البقر داؤ لبنہا شفاءً ۔ گائے کا گوشت کھانا بیماری اور دُکھ کو دعوت دینا ہے۔ اس کا دُودھ پینا شفا ہے۔ آبِ حیات ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت محمدؐ صاحب میدان جنگ میں گھر گئے۔ اُنہیں کھانے کے لئے کوئی سامان نہ رہا۔ آخر اونٹ کی قربانی کی گئی اور اس کا گوشت کھا کر زندگی کو بچانا پڑا۔ جب کوئی چیز بھی کھانے کے لئے نہ رہی تو اُن کے سپہ سالاروں نے گائے کی قربانی کی اجازت مانگی۔ آپت کال کے دھرم انوسار مجبوراً اُن کو گائے کی قربانی کا حکم دینا پڑا۔ لیکن جب اُن کو گائے کا گوشت کھانے کے لئے دیا گیا۔ تو اُنہوں نے اپنی اُنگلی پر کپڑا لپیٹ کر اُس کو چھُوا۔ پھر کپڑا اُتار کر اپنی اُنگلی کو مُنہ میں ڈالا۔ یعنی اُنہوں نے گائے کے گوشت کو اپنی اُنگلی سے چھُوا بھی نہیں۔ وہ ہر سال ایک ماہ چیندرائن برت (روزہ) رکھنے کے لئے پہاڑوں کی کندراؤں میں چلے جاتے تھے۔ اور جابیئیل نامی فرشتہ اُن کو ملنے کی کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اُن پر اس وقت ہی وحی (الہام) نازل ہوتی۔ اور وہ قرآن کی شکل میں تیار کی گئی۔ بھلا ایسے تپسوی پُرش کہاں گائے کی قربانی کو جائز قرار دے سکتے تھے۔ انہوں نے تو یہاں تک فرمایا۔ کہ جو شخص مکہ شریف میں حج کرنے کے لئے آوے وہ چھوٹے سے چھوٹے جانور جوُں تک کو بھی مت مارے۔

ہندوستان کے معزز گھرانوں کے مُسلمان (جو کہ دراصل ہندو دھارشیوں کے خون اور نسل سے ہیں) وہ گائے کے گوشت سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ تو مکّار انگریز کے زمانے میں ہندو مسلمان فساد کرنے اور اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے خیال سے چند متعصب مسلمانوں کو گئو ہتیا کرانے پر اُکسایا گیا۔ اور اس طرح اکالی نیتاؤں سے بھی سکھوں اور ہندوؤں کو علیحدہ کرنے کے لئے زہریلا پرچار کرایا گیا۔ ہم تمام ہندوستانیوں کو دشمن کی چال سے خبردار رہنا چاہیئے اور گائے کے سوال پر سب کو ملکر کوئی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ اور موجودہ مغرب زدہ حکمرانوں کو (جو کہ مغربی تہذیب مغربی تعلیم اور انگریزوں کی پالیسیوں پر گامزن ہیں۔ اور اپنی حکومت کو مستقیم کرنے کے لئے ہندوؤں مسلمانوں۔ عیسائیوں۔ اور اکالیوں کو ایک سطح پر لا کر صحیح سیکولرزم کو لانے سے خوف کھاتے ہیں) بتا دینا چاہیئے۔ کہ وہ راہ راست پر آئیں۔ ورنہ اُن کا حشر بھی وہی ہوگا۔ جو انگریزوں کا ہوا ہے۔ گئو ہتیا مہان پاپ ہے۔ یہ اس بھارت دیش پر ایک کلنک ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ اس کو فوراً بند کرے۔ تاکہ ہمارا دیش تباہی سے بچ جاوے۔

اگر موجودہ کانگریسی حکومت اپنا پہلا وقار پیدا کرنا چاہتی ہے۔ تو وہ مہاتما گاندھی اور بابو راجیندر پرشاد۔ و مہاتما تلک وغیرہ صحیح لیڈران کے نقشِ قدم پر چلے۔ انگریزوں کی سی پالیسی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ یہ جنتا کا راج ہے۔ کسی ایک خاندان کی حکومت تو نہیں ہے۔ وقت آرہا ہے جبکہ جنتا جاگ جائیگی۔ اور دوست دُشمن کی تمیز کرے گی۔ سلیم العقل مُسلمان تو اب محسوس کرنے لگے ہیں کہ اُن کے خود غرض لیڈر اُن کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اکثریت کی بھاؤناؤں کا احترام کرنا اُنکے لئے نہایت ضروری ہے اس دیش کے تمام افراد بھائی بھائی ہیں۔ اور سب کو بھائیوں کی طرح رہنا چاہیئے۔ گئوؤں یا مندروں کے سوال پر

آپسمیں فساد کرنا۔ کوئی بھی عقلمند ہندوستانی پسند نہیں کرتا۔ جو مسلمان پاکستانی ایجنٹوں کی ایما پر فسادات کرلتے ہیں۔ وہ دیش کے دشمن ہیں۔ اُن سے خبردار رہنا چاہئے۔ جیسے ہندوؤں کا فرض ہے کہ گئو رکھشا کریں۔ ویسے ہی ہندوستانی مسلمانوں کا بھی فرض اولین ہے۔ پاکستان میں گئو ہتیا قانوناً بند ہے۔ ہماری حکومت محض مسلمانوں کو ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم سیکولر (بے دین۔ اہندو) ہیں۔ اس لئے ہندو اکثریت کی بھاوناؤں کو کچل رہے ہیں اور گئو ہتیا کو کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اُن کی یہ نیتی کبھی سپھل نہیں ہو سکتی۔ اکثریت کو ناراض کر کے وہ حکومت نہیں کر سکتے۔ "وناش کالے وپریت بدھی" کے انوسار موجودہ برسر اقتدار مغرب زدہ لوگ خود بھی تباہ ہونگے اور دیش کو بھی تباہ کر کے چھوڑینگے۔ ان کا کمیونسٹوں اور مسلم لیگ جیسی دیش دروہی پارٹیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ ہی ان کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ اس لئے وقت ہے۔ کہ دیش کے ہتیشی مسلمان موجودہ رہنماؤں کو واضح کر دیں کہ وہ گئو ہتیا ہرگز نہیں چاہتے۔

سورگباشی سابق راشٹرپتی بابو راجیندر پرشاد جی بھی مہاتما گاندھی کی طرح گئو رکھشا کے حق میں تھے۔ لیکن انکی بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں:- گئو رکھشا مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ میرا دھرم یہ سکھلاتا ہے۔ کہ مجھے اپنے عمل سے بتا دینا چاہیئے کہ گائے کا قتل یا گئو مانس کا کھانا مہاں پاپ ہے اور اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ میری خواہش اتنی بڑی ہے کہ ساری زمین کے لوگ گائے کی رکھشا کرنے لگیں۔ مگر اس کے لئے مجھے پہلے تو اپنا گھر اچھی طرح صاف کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک گائے کا قتل اور آدمی کا قتل دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ (ماخوذ دیباچہ کتاب: گائے ہی کیوں؟)

شری ہردیو سہائے پردھان گئو ونش رکھشن سبھا حصار اپنی پستک گائے ہی کیوں؟ (دوئم ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ء) میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے دیش میں دودھ دینے والی گائیوں کی تعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور آدمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں گائیوں کی تعداد چار کروڑ تینتس لاکھ چھتیس ہزار تھی لیکن سنہ ۱۹۴۰ء میں 36758000 گویا ½ ۱۰ فیصدی کم۔ آدمیوں کی تعداد سنہ ۱۹۲۱ میں 27454000 اور سنہ ۱۹۴۱ء میں 33322000 یعنی ½ 21 فیصدی زیادہ۔ اس گنتی کے مطابق گزشتہ بیس سالوں میں ½ ۱۰ فیصدی گائیں کم اور آدمی ایک صد پر ½ 21 بڑھے ہیں۔

350 برس پہلے اکبر بادشاہ کے وقت میں گائے بیس سیر سے زیادہ دودھ دیتی تھی۔ (آئین اکبری صفحہ ۱۹۹) اور بیل چوبیس گھنٹوں میں ستر میل تک چلے جاتے تھے۔ مشہور جینی مہاتما ہری وجیہ سوامی نے ہری سوبھاگیہ کتاب میں لکھا ہے کہ گجرات میں ۳۲ سیر دودھ دینے والی گائے تھیں۔

مسلمانوں کے زمانہ تک گائے کی غیر معمولی اہمیت رہی۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب اتھروید میں 6-3-11-4 منتر کہتا ہے۔ گئو! کمزور آدمیوں کو طاقتور اور بدشکل کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اور گھر کو خوشی سے بھر دیتی ہے۔ رگ وید 4، 15، 169 کا منتر کہتا ہے۔ جس طرح طاقتور اور عقلمندوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اسیطرح گائیوں کا بھی گھر میں رہنا ضروری ہے مہابھارت جیسے پانچواں وید کہا جاتا ہے۔ اس میں بھیشم پتامہ کہتے ہیں۔ دودھ۔ دہی۔ گھی۔ گوبر پیشاب۔ چمڑا۔ ہڈی۔ سینگ اور بال وغیرہ ان سب چیزوں سے گائے آدمیوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ گائے گھی دودھ دیکر آدمیوں کو زندہ رکھتی ہے۔ گائے کا فرزند بیل طرح طرح کے اناج پیدا کرتا اور بھوک پیاس کو برداشت کر کے بوجھ اٹھاتا ہے۔ سردی گرمی۔ برسات کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

ارجن نے گائے کی خدمت اور حفاظت کے لئے بارہ سال تک جنگل کی مصیبت برداشت کی۔ راجہ وراٹ اور نند کے پاس کئی کئی لاکھ گائیں تھیں۔ مہرشی جمدگنی نے سہسر ارجن کو گائے دینے کے مقابلے میں موت کو ترجیح دی۔ مہرشی واششٹ نے وشوامتر کو گائے نہ دی۔ مہاراجہ دلیپ نے نندنی گائے کی خدمت کے لئے اپنی ملکومت اور جان تک کی پرواہ نہ کی۔ بھگوان کرشن نے گائیوں کو خود چرایا۔ مہاراجہ پریچھت نے کلجگ سے گائے کی رکھشا کی۔ ہندوؤں کی بڑی تعداد گائے کے بدن میں دیوتاؤں کی موجودگی اور بیل کے سینگ پر زمین کا بوجھ مانتی ہے۔ بیل کو بھگوان شو کا واہن خیال کرتی ہے۔ ہندو راجیہ میں گائیوں کی بہت عزت ہوتی تھی۔ گئو کا دان سب سے بڑا دان سمجھا جاتا تھا۔ مہاتما بدھ نے کہا ہے جس طرح ماں باپ اور دوست ہیں اسی طرح گائے ہماری بڑی دوست ہے۔ بدھ مہاراج کے معتقد دھن جے سیٹھ نے اپنی لڑکی بساکھا کی شادی میں تین کوس لمبی چودہ ہاتھ چوڑی جگہ میں جتنی گائیں آسکتی تھیں دان میں دیدیں۔ جنمیں لاکھوں گائے تھیں۔ جین دھرم کے چوبیسویں اور آخری ترتھنکر مہابیر سوامی کے دس خاص پیروؤں میں سے راجگرہی کے مہاشتک بارانسی کے چولنی پتا کے پاس اسی اسی ہزار گائیں تھیں۔ آنند سراوک نے جب مہابیر سوامی کے پاس سراوک برت لیا۔ تب اسکی چھوڑنے والی جائداد میں سے چالیس ہزار تو گائیں تھیں۔"

مسلمانوں کے زمانہ میں بھی گایوں کی اچھی حالت رہی۔ ۱۲۹۵ء میں علاء الدین خلجی جس کی حکومت اچھی نہیں سمجھی جاتی اس کے عہد میں بھی گائیوں کی تعداد کے سبب اس وقت ایک پیسہ کا ساڑھے چودہ چھٹانک یا ایک روپیہ کا ایک من اٹھارہ سیر مکھن فروخت ہوتا تھا۔ گیہوں ایک پیسہ کے دو سیر آتے تھے۔ جیسا کہ ذاتی نے تاریخ فروزشاہ میں لکھا ہے۔ کتنے ہی مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں گائے مارنا ممنوع تھا۔ بھوپال کی لائبریری میں مشہور مغل بادشاہ بابر کا ایک فرمان موجود ہے۔ جو بادشاہ نے اپنی اولاد کو لکھا ہے۔ کہ تم کو چاہیئے۔ "کہ اپنے دل کو مذہبی تعصب سے پاک رکھکر ہر ایک مذہب کے مطابق انکا انصاف کرو۔ اور خاص کر گائے کے قتل سے پرہیز کرو" اکبر بادشاہ نے تاریخ ۱۳ ذی الحجہ ۳۱ ھ شاہی کو ایک فرمان جاری کرتے ہوئے حکم دیا "کہ سب مویشی خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور سب سے ایک نہ ایک فائدہ ہوتا ہے۔ ان سب میں گائے چاہے وہ نر ہو یا مادہ بہت فائدہ دینے والی ہے۔ کیونکہ سب آدمی اناج کھا کر زندہ رہتے ہیں۔ اناج بغیر کھیتی کئے پیدا نہیں ہوسکتا۔ کھیتی ہل چلانے سے ہی ہوتی ہے۔ اور ہلوں کا چلانا بیلوں پر منحصر ہے اس سے ثابت ہوا کہ سب دنیا کے آدمیوں و مویشیوں کی زندگی کا انحصار گائے پر ہے۔ اس لئے ہماری حکومت میں گائے قطعی قتل نہ کی جائے۔ آدمیوں اور مویشیوں کی زندگی اناج اور گھاس پر منحصر ہے۔ یہ دونوں چیزیں کھیتی کئے بغیر ہل نہیں سکتیں۔ کھیتی گائے اور بیل کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ثابت ہوا کہ گائے اور بیل پر دنیا کی آبادی کی زندگی منحصر ہے۔ اس بات کو خیال میں رکھکر میری حکومت میں قتل گائے کا رواج قطعی نہ رہے۔"

ان فرمانوں کی خلاف ورزی نہ کرنے کے ثبوت میں مشہور مصنف سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے:۔ "کہ مغل زمانہ کے دو صد سال میں ہندوستان میں قتل گائے نہ ہوا۔"

مسٹر ونسنٹ سمتھ ہندوستان کی ابتدائی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

اکبر نے اپنی حکومت میں قتل گائے کرنے والوں کے لئے موت کی سزا کا حکم دیا ہوا تھا۔ پہلے کے بڑے بڑے بادشاہوں نے ہی نہیں۔ اٹھارویں صدی میں بھی میسور کے نواب ٹیپو سلطان نے بڑی کوشش کر کے وہاں کی مشہور گائیوں کی نسل کو ترقی دی اور اس کا نام "امرت محل" رکھا۔ جو آج تک چلا آتا ہے مسلمانوں کے عہد حکومت میں دودھ، گھی کی افراط رہی۔ اور اُن کے آخری ایّام میں بھی ایک روپیہ کا 45 سیر دودھ اور ایک روپے میں ساڑھے دس سیر گھی فروخت ہوتا رہا۔

لیکن آج جو حالت اس دیش کی ہے۔ وہ سب جانتے ہی ہیں۔ دودھ اور گھی نایاب سا ہو گیا ہے۔ دوائیوں کی طرح دودھ بھی بوتلوں میں فروخت ہو رہا ہے۔ یہ سب ہمارے مغرب زدہ حکمرانوں کی غلط اور بے دین پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ جیودیا منڈل کی چھپوائی ہوئی کتاب "گائے کی اہمیت" کے صفحہ ۴۵ پر بڑے شہروں میں ہونے والے قتل کے کچھ اعداد دیئے ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے شہر کلکتہ اور اس کے نزدیک ہوڑہ میں سالانہ 96775 گائے اور ۷۴۴۴ بھینس ذبح ہوتی ہیں۔ دوسرے درجے کے شہر بمبئی میں ۲۳۳۲۲ گائے اور ۱۳۰۳۵ بھینیں سالانہ ماری جاتی ہیں۔

ہریانہ۔ ساہیوال اور ملک کی دیگر اچھی نسل کی گائیں کلکتہ اور بمبئی جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ایسا ہی حال دوسرے بڑے شہروں کا ہے۔ جو شہر کسی وقت ملک کے لوگوں کے سامنے تہذیب و تمدن کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ وہ اس نام نہاد آزادی کے دور میں، مویشیوں کے قتل اور بربادی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ غیر ممالک کی سرکاریں مویشی پالنے کے لئے کافی سرمایہ خرچ کرتی ہیں لیکن یہاں کے ناسمنک حکمران جو اپنے آپ کو بہت تعلیمیافتہ سمجھتے ہیں۔ گائے کی نسل کو ہی ختم کرنے کے درپے ہیں۔

مہاراجہ دلیپ اور بھگوان کرشن نے خود گائیں چرائیں۔ وہ بھی تو ہندوستان کے حکمران تھے۔ وہ گائے کے پیچھے پیچھے پھرتے رہے۔ برعکس اس کے آج کے حکمران جو اپنے آپ کو سیکولر کہتے ہیں۔ گئووں کو قتل کرا رہے ہیں + یہ لوگ اپنے آپ کو مہاتما گاندھی کا انویائی کہتے ہیں۔ لیکن یہ اُنکی ایک بھی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ مہاتما گاندھی نے ۲۹ جنوری ۱۹۲۵ء کے ینگ انڈیا اخبار میں لکھا۔ "میں گئو رکشا کے سوال کو سوراجیہ کے برابر اہمیت کا سوال ہی نہیں سمجھتا۔ میرا خیال ہے کہ گئو رکشا کا سوال سوراجیہ سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جب تک ہم گائے کو بچانے کا کوئی طریقہ ڈھونڈ نہیں نکالتے تب تک سوراجیہ کا کوئی مطلب نہیں رہ جائیگا۔ گائے کا قتل اور انسان کا قتل میری رائے میں ایک سے ہیں۔ اگر ہندو گئو رکھشا کے سوال کو مقدم نہیں رکھینگے۔ اور اپنے دھرم کا پالن نہیں کرینگے تو یہ خود بھی زندہ نہیں رہ سکینگے۔ میں ایسے سوراج کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ جہاں گئو ہتیا ہوتی ہو۔"

دہلی کے مشہور حکیم اجمل خاں صاحب نے ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے امرتسر اجلاس میں گائے کی اہمیت بتلاتے ہوئے گائے کی، حفاظت کے لئے خاص زور دیا۔ اور لوگوں کو کہا کہ ہمّت صبر و استقلال و محنت سے گائے کی ترقی کے کام میں لگ جائیں۔"

گورو گوبند سنگھ جی نے گئو اور برہمن کی رکھشا کے لئے تلوار اُٹھائی اور بھگوتی درگا سے یوں پرارتھنا کی:۔

نمو اگر ونتی اننتی سوتیا ‏ ‏ نمو یوگ یوگیشوری یوگ میّا
نمو کہڑی باہنی شستر و ہننتی ‏ ‏ نمو شاردا برہم وِدّیا پڑھنتی ‏ ‏ کہری شیر پر سواری کرنیا لی
نمو جیوتی جوالا ہتیں وید گاویں ‏ ‏ سُر اُسر کھیشور نہیں بھید پاویں
سکل جگت میں خالصہ پنتھ گاجے ‏ ‏ جگے دھرم ہندو سکل دُند بھاجے
یہی آس پُورن کرو تُم ہماری ‏ ‏ مٹے کشٹ گوُون چھُٹے کھید بھاری
یہی بنتی خاص ہمری سنیجے ‏ ‏ اُسر مار رکھشا گوُون کرتیجے
نہ چھوڑوں کہیں دُشٹ مُسرن نشانی ‏ ‏ چلے سب جگت میں دھرم کی کہانی

گورو ارجن دیو فرماتے ہیں۔"کہ پاپوں کا پھل اوشیہ میو بھوگنا پڑتا ہے

"پاپی کرم کماوندے کر دے ہائے ہائے ۔ نانک جیوں متھن مدھانیاں ‏ ‏ تیوں متھے دھرم رائے

کاش کہ ہمارے موجودہ حکمران گورو مہاراج کی بانی پر یقین کر کے اس مہان پاپ کو چھوڑ دیویں۔

سنگورو بابا رام سنگھ جی مہاراج نے گئو ہتیا بند کرانے کے لئے انگریزی حکومت کے ساتھ ٹکر لی۔ اور کئی بار جیلوں میں بھی گئے۔ اور اپنے پیچھے ایک ایسی سنستھا چھوڑ گئے۔ جو اپنے پراچین سناتن دھرم پر اٹوٹ شردھا رکھتی ہے۔ اوتار واد۔ مورتی پوجا۔ شرادھ۔ ترپن۔ ہون یگیہ۔ گورو پوجا۔ مانس آہار نشیدھ۔ گئو رکھشا۔ اور دھرم پر دڑھ رہنا۔ چمڑے کا استعمال نہ کرنا۔ روزانہ کیشی اشنان کرنا۔ شدھ اور پوتر رہنا ہی اس سنستھا کے نیم ہیں۔ ان کو "نام دھاری" کہا جاتا ہے۔

گزشتہ گئو رکھشا اندولن میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اور کئی لوگ قید بھی ہوئے تھے۔"

بھگوان کرشن اور اُنکے بڑے بھائی بلرام جی روزانہ گئوؤں کی پوجا اور سیوا کرتے تھے۔ شریمد بھاگوت صفحہ ۶۱۱ میں لکھا ہے:۔ برج میں پہنچکر اکرور جی نے شری کرشن اور بلرام دونو بھائیوں کو گائے دوہنے کی جگہ پر موجود پایا۔ شیام سُندر شری کرشن پیتامبر دھارن کئے ہوئے تھے۔ وہ ابھی کشور اوستھا میں داخل ہوئے تھے۔ گیارہواں سال چل رہا تھا۔ وہ دونو سُندرتا کی کان تھے۔"

بھگوان کرشن کو گئوپال کہا ہے۔ اور بھگت لوگ اُن کا کیرتن مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔ سہ

گوبند جے جے گئوپال جے جے ؛ رادھا رمن ہری گوبند جے جے

گئو رکھشا اندولن پھر شروع ہو چکا ہے۔ مہاتما لوگ جیلوں میں جا رہے ہیں۔ اس لئے ہر ایک گرہستی ہندو کا اولین فرض ہے کہ وہ بھی اس دھرم کاریہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ اور گئو ہتیارے لوگوں کو آئندہ آنے والے چناؤ میں ہرگز ہرگز ووٹ نہ دے۔ چونکہ ہندو دھرم کو ختم کرنے کے در پے ہیں۔ اور گئو ہتیا جیسے مہان پاپ سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اور ہندو اکثریت کی بھاؤناؤں کو کچل رہے ہیں۔ ایسے ناستک لوگ اس دھرم بھارت بھومی پر راج کرنے کے ادھیکاری ہی نہیں۔ بھرت جی نے سچ ہی فرمایا تھا کہ"ادھرمی راجہ کو راج گدی سونپ دینے سے دیش کا ناش ہو جاتا ہے۔"

اوم اوم

گودھن اور گوپال

(کوی لوکناتھ دل)

جب ہم اپنے اتہاس پر درشٹی ڈالتے ہیں تو ہمیں گودھن اور گوپال ملے جُلے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ گودھن اور گوپال گوپال اور گودھن۔ ان میں کوئی انتر ہی نہیں۔ گوپال کے جیون میں گودھن سمایا ہوا ہے۔ اور گودھن میں گوپال رمے ہوئے ہیں۔ ایک سمے جب گئوؤں کو چراتے ہوئے چتر مکھ برہما کو بھرم ہوگیا۔ کہ یہ برہم ہے یا گوپال۔ کیونکہ گوپال اس سمے گئوؤں کے نکٹ بیٹھے ہوئے گوال منڈلی میں بھوجن کر رہے تھے۔ انکے ہاتھوں میں اچار مربہ اور چٹنی آدی بھرے ہوئے تھے۔ پرکھشا کرنے کیلئے برہما نے تب وہ سب بچھڑے چرا لئے۔ گرراج گوردھن کی ایک گپھا میں لے جاکر بند کر دیئے۔

تب گوپال ان کا روپ دھارن کر کے ورش بھر تک برج منڈل میں وچرتے رہے۔

گوپال جب گئوؤں کو لے کر بن سے آتے تو سانجھ سمے برج گوپ للنائیں انکا مکھ کمل نہارنے کیلئے تھم ہو کر کھڑی ہو جاتیں گئو دھولی دھوسرت ان کا شریر دیکھ دیکھ کر سب بلہاری جاتیں۔ اور بیچ میں گوپال نندن مُرلی بجاتے ہوئے ٹھمک ٹھمک کر چلتے۔ اس لئے میں نے کہا کہ گوپال اور گودھن دو نہیں ہیں۔

ایک سمے میا جسودا نے کہا۔ لالہ بن میں جب تو گئوؤں کو لے کر جاتا ہے تو جوتا پہن کر جایا کر۔ بن میں کانٹے ہوتے ہیں۔ پاؤں میں چبھ نہ جائیں۔ تب گوپال نے اُتر دیا۔ کہ میا۔ پہلے نو لاکھ گئوؤں کے لئے جوتے بنوا دے۔ پھر میں بھی پہن لونگا۔ میا جسودا سن کر چکت ہو گئی۔ یہ تھی گئوؤں کے پرتی گوپال کی بھکتی۔

آہ! آج پیارے کرشن کی پیاری گئوؤں کا سروناش کیا جا رہا ہے۔ ہندوؤں کی چھاتی پر بجر گھات کیا جا رہا ہے۔

اب ہندو کہلانے والے ویکتی کو ہم گئو ماتا کی سوگندھ (شپتھ) دلاتے ہیں۔ کہ جو لوگ گئو ہتیا کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ان کو آئندہ چناؤ میں ہرگز ہرگز ووٹ نہ دو۔

گئو ہماری ماتا ہے۔ گئو کو قتل کرنے یا کرانے والا۔ اپنے آپ کو ہندو کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ گئو۔ گیتا گایتری اور گنگا۔ یہ ہندو دھرم روپی برکش کی جڑیں ہیں۔ جو ان کو کاٹتا ہے۔ وہ ہندو دھرم کا شترو ہے۔ اس پوتر بھارت ورش میں ایک بھی گئو کا بدھ نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسے مہان پاپ سے دیش تباہ ہو جاویگا۔ دل

اوم اوم

گودھن اور گوپال

(از کوی لوکناتھ دل دہلی)

(۱)

برج بھومی میں گوپد رج سے — جو انگ پرتی انگ سجاتے رہے
برج بھومی میں گوپد رج سے — جو بج سمان بڑھاتے رہے
برج بھومی میں گوپد رج کو — جو سر پر سدا چڑھاتے رہے
برج بھومی میں گوپد رج کو — جو چھُپ کر اپنے دل ! کھاتے رہے
گودھن نہ رہا سور کھشت تو — گوپد رج کہاں سے پائیں گے
گودھن ہی نشٹ ہوگیا تو — گوپال کہاں سے آئیں گے

(۲)

جس گودھن کو کر کملوں سے — نت گووند لاڈ لڈاتے رہے
جس گودھن کو کر کملوں سے — تھپکی دے دے کے سُلاتے رہے
جس گودھن کو کر کملوں سے — نت ہری ہری گھاس کھلاتے رہے
جس گودھن کو کر کملوں سے — جمنا جل پان کراتے رہے
وہ گودھن یہاں نہ پائیں گے — تو کیسے جی بہلائیں گے
گودھن ہی نشٹ ہوگیا تو — گوپال کہاں سے آئیں گے

(۳)

گوری - بھوری - پیری کاری — کہہ کہہ کر جنہیں بُلاتے رہے
گودھولی دھوسرت ہو ہو کر — مسکاتے رہے ہرشاتے رہے
گو کھڑک ہیں۔ لے کر گوبر — ہوری دن رات رچاتے رہے
گوبر کے ٹیکے گوپیوں سے — مکھ کنج پہ جو لگواتے رہے
وے گوپ سکھا۔ گوکل بھوشن — گودھن بن چین نہ پائیں گے
گودھن ہی نشٹ ہوگیا تو — گوپال کہاں سے آئیں گے

(۴)

گودھن نہ رہا تو کس کے لئے — گرراج کو چھتر بنائینگے

گودھن نہ رہا تو کس کے لئے　داوانل کو پی جائیں گے
گودھن نہ رہا تو کس کے لئے　کالی کو ناتھ کے لائیں گے
گودھن نہ رہا تو کس کے لئے　مُرلی ادھروں سے چھوائیں گے
گودھن اُن کا جیون دھن ہے　گودھن کے بنا گھبرائیں گے
گودھن ہی نشٹ ہو گیا تو　گوپال کہاں سے آئیں گے

(۵)

تربھون کے راجا کس کے لئے　گولوک دھام تج آئیں گے
تربھون کے راجا کس کے لئے　گوکل کے گوال کہائیں گے
تربھون کے راجا کس کے لئے　کملی کاندھے پہ اُٹھائیں گے
تربھون کے راجا کس کے لئے　بن بن ننگے پگ دھائیں گے
تربھون کے راجا پھر برج میں　ماکھن کس طرح چُرائیں گے
گودھن ہی نشٹ ہو گیا تو　گوپال کہاں سے آئیں گے

(۶)

گو رس یدی شُدھ نہ پراپت ہُوا　کوئی اوشدھی کیسے کھائیں گے
گو رس یدی شُدھ نہ پراپت ہُوا　بچے نربل ہو جائیں گے
گو رس یدی شُدھ نہ پراپت ہُوا　پنچامرت کہاں سے پائیں گے
گو رس یدی شُدھ نہ پراپت ہُوا　یگیہ آدی کہاں رچائیں گے
گو رس امرت سے بڑھ کر ہے　اس سے ونچت رہ جائیں گے
گودھن ہی نشٹ ہو گیا تو　گوپال کہاں سے آئیں گے

(۷)

گودھن ہے پیارا موہن کو　گودھن کو پیارا موہن ہے
گئوؤں کے دودھ کی دھاروں میں　شکتی۔ بُدھی اور۔ جیون ہے
گوپال کرشن کے پریمیوں سے　میرا یہ نمر نویدن ہے
گوپال کرشن کا پرم اشٹ　سچ مانو اے دل! گودھن ہے
گودھن کو آج بچا لو تو　گوپال بھی درس دکھائیں گے
گودھن ہی نشٹ ہو گیا تو　گوپال کہاں سے آئیں گے

گئو ہتیا کے خلاف آواز

مجھے لے لو۔ میرے پران لے لو لیکن گائے کو چھوڑ دو۔

مہاتما پنڈت مدن موہن مالویہ

(2) میرا سارا پریتن (کوشش) گئو ہتیا روکنے کیلئے ہے۔ جو گائے کو بچانے کیلئے پران نہیں دے سکتا۔ وہ ہندو کہلانے کا ہی حقدار نہیں۔ میرے وچار میں گئو رکھشا کا سوال سوراجیہ سے چھوٹا نہیں۔ میرے نزدیک گائے اور ایک انسان کے قتل میں کوئی فرق نہیں۔ باپو گاندھی ۲۵ جنوری ۱۹۲۹ء

(3) سوراجیہ ملتے ہی قلم کی ایک نوک سے اور ایک منٹ میں ہی گئو ہتیا بند کی جائیگی۔ "لوکمانیہ تلک"

کاش! کہ ہماری موجودہ مہارانی جو اپنے آپ کو اب "ہندو" کہلانے کا اعلان کر چکی ہیں۔ وہ مہاتما گاندھی اور لوکمانیہ تلک جی کی آواز کو سنیں اور گئو ہتیا جیسے مہان پاپ کو آئندہ نہ کراویں کیونکہ ایک ہندو عورت کو یہ مہان پاپ شوبھا نہیں دیتا۔ بھگوان اندیرا سرکار کو یہ حقائق سمجھنے کی عقل سلیم بخشے ورنہ۔ پاپی کے مارنے کو پاپ مہان بلی ہے۔" کے مصداق اس موجودہ حکومت کے مہان پاپ ہی اس کو لے ڈوبینگے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ خود کو ہندو کہلانے والے ہندو دھرم کا سرناش کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن اتہاس شاہد ہے کہ دھرم کا ناش کرنے والے خود ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔

لنکا۔ پاپی کے مارنے کو خود پاپ ہی بلی ہے

کیونکر اجڑ گئے ہیں باغ و بہار لنکا
چاروں طرف اب تو اجڑا دیار لنکا

سونے کی آج لنکا مٹی میں ملگئی ہے
مرتے جلانے والی پاپوں سے جل گئی ہے

ابھیمان نے ڈبوئے راون کے جاہ و حشمت
لنکیش نے گنوائی خود آپ اپنی عزت

کرتا کوئی ہے لیکن ہر گھر میں بے کلی ہے
پاپی کے مارنے کو خود پاپ ہی بلی ہے

اوم   اوم

ملک ایران اور گائے

(از قلم شری اوم پرکاش گپتا)

بھارت کی راجدھانی دلی میں مسلمانوں کی ایک قومی یونیورسٹی جامع ملیہ اسلامیہ ہے۔ اسکی طرف سے اردو کا ایک ماہوار رسالہ پیام تعلیم شائع ہوتا ہے۔ اس کے جون ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں جامعہ مذکور کے ایک ڈاکٹر شری عبدالرشید ایم اے۔ جو کہ اتحادی سبھا کی طرف سے ایران میں تعلیمی کاموں کے لئے بھیجے گئے کی اہلیہ محترمہ کا لکھا ہوا مضمون بعنوان "ایران میں جشن نوروز شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں اسلامی ملک ایران میں گائے کے بارے میں ایران کے نیک جذبات کی باتیں شائع ہوئی ہیں۔ ان سے ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے لئے کافی سبق حاصل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ایران مکمل طور پر ایک مسلمان ملک ہے۔

شریمتی بیگم رشید صاحب لکھتی ہیں۔ کہ ایران میں گائے کا گوشت پسند نہیں کیا جاتا۔ وہ لکھتی ہیں: "یہاں کا گوشت کھانا ویسا ہی برا سمجھا جاتا ہے جیسا کسی زمانہ میں ہم لوگوں کے ہاں سمجھا جاتا تھا۔ صرف غریب لوگ کھاتے ہیں۔ وہ آٹھ روپے کلو ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں جو گائے کا گوشت اہل اسلام پر حرام نہ ہونا عرب کے اسلام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ غلط ہے۔ کیونکہ عرب کے قریبی مسلمان ملک ایران میں گائے کا گوشت اعلیٰ طبقوں میں پسند نہیں کیا جاتا۔ بلکہ برا سمجھا جاتا ہے۔ غالباً اس لئے کہ ایک تو ایرانی لوگ اسلام سے پہلے ہند کے زیادہ قریب تھے۔ (نسلی اور مذہبی طور پر) دوسرے وہ وطن پرست ہونے سے سابقہ روایات پر کاربند ہیں۔ تاریخی لحاظ سے ہند میں اسلام نچلے لوگوں میں پھیلنا شروع ہوا۔ جو پہلے بھی مردار اور گائے وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے پہلے کی اپنی روایات مسلمان بن کر بھی قائم رکھی اور اسلام کو بدنام کیا۔ ظاہر ہے کہ گائے کا گوشت کھانا ہند میں اقتصادی سبب سے ہے۔ جو غریبی کی وجہ سے اسے سستا سمجھ کر خریدتے ہیں۔" شبھ چنتک۔ اوم پرکاش گپتا جموں"

"مغرب زدہ ہندوستانیوں اور موجودہ ناستک حکومت کے مُنہ پر ایک امریکن کی چپت"

COW = AN AMERICAN VIEW

گئو

ایک امریکن کے وچار ہیں:-

TO THE EDITOR
THE INDIAN EXPRESS
NEW DELHI

خط بنام ایڈیٹر انڈین ایکسپریس نئی دہلی مورخہ 25/1/67
مترجم شری مدن لال بھمبری مالویہ نگر نئی دہلی۔"

مہودے! حال ہی میں اخبار نیویارک ٹائمز میں ایک مضمون بعنوان "بھارت کے سادھو سچائی کو پانے والوں کی کھوج میں" چھپا تھا۔ اس مضمون میں سادھوؤں اور گئو کے بارے میں بہت ہی ناسمجھی برتی گئی۔ شری خوشونت سنگھ نے اس معاملہ کو غلط بیان کیا ہے۔ اور وہ خود مانتے ہیں کہ انکا رسی کون سادھوؤں کے وپریت ہے! اگر نسبتاً کسی کم متعصب شخص نے لکھا ہوتا۔ تو ہم امریکنوں کو اس دیش یعنی بھارت میں گئو اسکی رکھشا کے بارے میں سادھوؤں کے اندولن کی تصویر کا دوسرا ہی رُوپ دیکھنے کو ملتا۔

بہت ہی پراچین سمے سے ہندو گوشت خور نہیں ہیں۔ پراچین سمے سے ہی گئو بھارت ورش میں ایک دھارمک اور پوتر شکتی کا پرتیک رہی ہے۔ کیا اس سچائی کو ماننے میں کوئی کٹھنائی ہے؟ شائد آج کے ناستک اور مادہ پرستی کے یُگ میں ایسا سمجھنا مُشکل ہے کہ دھارمک نیموں پر پابند بھگوان کے اُپاسک اور ایشور پراپتی کے لئے اونچے اُصولوں پر گامزن لوگ بھی ہوسکتے ہیں۔ ہندو گائے کو ماتا کا درجہ دیتے ہیں۔ گائے ہمیشہ شانتی اور امن کا چنہہ (نشان) رہی ہے۔ اور بھگوان کرشن ہمرو شکتیمان سوئم ایک گائے چرانے والے لڑکے کے رُوپ میں اور اس سے پیار کرنے والے کے نام سے مشہور ہیں۔ کیا یہ سب بھاونائیں بلی کی ویدی پر چڑھادی جاویں؟ یہ بھاونائیں ہندوؤں میں بہت یُگوں سے پائی جاتی ہیں۔ اور جیسا کہ خوشونت سنگھ کہتے ہیں کہ یہ حال ہی کی پیدا شدہ ہیں۔ شاستروں اور ویدوں میں جو کہ پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ پُرانے ہیں۔ صاف صاف شبدوں میں گئو ماتا کو مارنے کا ورودھ اور کھنڈن کرتے ہیں۔ جو منش کو دودھ دیتی ہے۔ شاستروں میں بتایا گیا ہے کہ ہماری سات پرکار کی ماتائیں ہیں۔ اول۔ ماتا جو ہمیں جنم دیتی ہے۔ (۲) گورو پتنی۔ (3) براہمن کی پتنی (4) رانی۔ (5) گائے۔ (6) نرس۔ (جو ہماری بیماری میں دیکھ بھال کرے۔ (۷) دھرتی ماتا۔

ویدوں اور دھارمک اُصولوں کو تیاگ دینے کی بجائے کیوں نہ دوسرے ملکوں سے اپیل کیجائے۔ جیسے کہ امریکہ ہے۔ (جو کہ اپنا فالتو اناج پھینک دیتے ہیں۔ لوگ مسٹر خوشونت سنگھ جیسے آدمیوں کے اُصولوں کو کیوں مانیں۔ جو بذات خود پُرانی روایات کے مخالف ہیں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم دھارمک گرنتھوں کی سیکھ کو مانیں اور اس پر عمل کریں۔ اس سیکھ پر جو کہ ہمیں ہمرو شکتیمان بھگوان کی دین ہے۔ اسکے سچے اور پوتر بھگت بنیں۔ نہ کہ ناستک اور شیطان لوگوں کی پیروی کریں۔

اب جبکہ انگریز بھارت سے چلے گئے ہیں! اور بھارت سرکار جنتا کی سرکار ہونے کے دعوے کرتی ہے۔ پچاسی 85 فیصدی بھارتی جنتا ہندو ہے اور گائے کو متبرک سمجھتی ہے (اور سمجھنا چاہئے بھی) کیسے ایسی سرکار جنتا کی سرکار ہوسکتی ہے جو کہ اپنے لوگوں کی مان ہت پورن بھاوناؤں کو کچل رہی ہے؟ ایسا کہنا کہ لوگوں کو بھوک سے مرنے سے بچانے کیلئے گائے

نے گوشت کی اوشیکتا ہے۔ کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ دلیل بے معنی اور بالکل غلط ہے۔ کیونکہ عقل یہ کبھی نہیں مان سکتی کہ بھوکے لوگوں کو جو مانس آہاری نہ ہوں اُنہیں سبزیوں اناج اور پھلوں کی بجائے گائے کا گوشت دیا جائے۔ جب ایک آدمی روٹی مانگتا ہے تو اُسے آپ پتھر نہیں دیتے۔ جہاں تک گوشت خوروں کا تعلق ہے وہ دوسرے جانوروں کا گوشت کھا سکتے ہیں۔ گائے کا قتل بھوکے لوگوں کی بھوک مٹانے کیلئے نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس سے مشینیں وغیرہ منگوانے کیلئے گئووں کی کھالوں کو زرِ مبادلہ کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

بھارت کی سرکار جو کہ ہندوؤں کی سرکار خیال کیجاتی ہے کیوں ناستک اور آسُری پرکرتی کے لوگوں کی دھارا پر چلے؟ اسکی بجائے یہ کیوں نہیں مہان سادھو مہاراجہ پریکشت کی مثال کی پیروی کرتی؟ (مہاراجہ پریکشت شریمد بھاگوت میں لکھا ہے۔ کہ راجہ پریکشت خود گئو کی رکھشا کے لئے دوڑے جبکہ ایک دُشٹ ملیچھ گئو کو بہت بُری طرح سے پیٹ رہا تھا۔ مہاراجہ نے اس ملیچھ کو قریب قریب مار ہی دیا تھا جو کہ گئو کو پیٹ رہا تھا۔ اور اس سے یوں کہا ارے دُشٹ! تمہیں یہ جرأت کیا اسلئے ہوگئی کہ بھگوان کرشن اور ارجن جیسے پرتاپی راجہ اب نہیں رہے کہ تم اس معصوم بے چاری گئو کو مار رہے ہو۔ تم ایک بے قصور کو مار رہے ہو۔ اسلئے پران دنڈ کے ادھیکاری ہو۔ اے گئو ماتا! جبتک میں زندہ ہوں تمہیں ڈرنے کی کوئی آوشیکتا نہیں۔ ایسا کوئی بھی پرانی جو کہ مظلوم بے کس اور محتاج جیووں کو ستانے کا دوشی ہو۔ چاہے وہ کیوں نہ دوسرے بھومنڈلوں کا باسی ہو۔ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا اور میں اُسے ناش کر دونگا۔

ماخوذ۔ شریمد بھاگوت سترھواں ادھیائے کا پہلا اسکندھ

"بھارت سرکار کیوں نہیں مہاراجہ پریکشت کے نقشِ قدم پر چلتی؟"

ایک امریکن ہونے کے ناطے میں بھارت ماتا کو روحانی پریرنا دینے والی اور ہتھ پردرشک مانتا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ امریکن لوگ کافی حد تک ناستک اور مادہ پرست ہو چکے ہیں اور اس لئے وہ سنسار میں تشدد کی راہ پر گامزن ہیں۔ لیکن بھارت ورش اس غلط راہ میں کیوں انکا شریک ہو؟ یہ پڑھ کر مجھے بہت دُکھ ہوتا ہے۔ کہ بھارت ورش میں دھارمک اُصولوں اور نیموں کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اس کا اثر کیا ہو رہا ہے۔ اس بارے میں میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کا کارن یہ ہے کہ بھارت ورش اپنے دھارمک اُصولوں کو تلانجلی دے رہا ہے اور الیشوری وچار دھارا کم ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ بھگوان کرشن بھارت ورش اور اُسکی سرکار سے اُنکے ادھرمی ہونے پر ناراض ہیں"

ہاورڈ۔ ایم۔ وہیلر نیویارک (امریکہ)
6.1.67

نوٹ:- گورو نانک صاحب فرماتے ہیں:-

دُکھی پُکارے رین دن پاپاں بھاری ہوئے
وڈا پاپ گئو بدھ ہے۔ جس پر ساری لوئے

لیکن دھارمک تعلیم سے بے بہرہ ایک مغرب زدہ سکھ شری خوشونت سنگھ نے گئو رکھشا اور سادھوؤں کے برخلاف امریکن اخبار میں مضمون شائع کرا کر جہاں بھارت واسیوں کو غیر ممالک کی نظروں میں گرایا ہے۔ وہاں اپنے

ناستکتا اور اگیانتا کا ثبوت دیا ہے۔ یہ اُن کا زیادہ قصور نہیں بلکہ ہماری ناستک سرکار کا زیادہ قصور ہے جنہوں نے سکولوں میں دھارمک وچاروں کی بجائے، ہر نیہ کشیپو کی طرح ناستکتا کی تعلیم کو رائج کر رکھا ہے۔ نیز فلموں اور ریڈیو کے ذریعہ نوجوانوں کے خیالات کو پراگندہ کر کے دیش۔ دھرم اور جاتی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ بھگوان ان کو اب بھی سومتی دے۔ اور یہ ناستکتا کے پرچار سے باز آویں۔ آستک بنیں اور گئو ہتیا جیسے مہان پاپ سے بچیں۔ ورنہ ان کے یہ مہان پاپ جہاں ان کو لے ڈوبینگے۔ وہاں دیش کو بھی تباہ کر کے رکھ دیں گے کیونکہ راجہ (حکومت) کا پاپ سب پرجا کے لئے خطرناک ہوتا ہے۔

شری کے ایم منشی نے اپنے ایک مضمون مورخہ ۲/۶۷ میں لکھا ہے کہ: آج کے سکول اور کالج اخلاقی دھارمک اور روحانی آدرشوں سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ دھرم کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ دیش میں بھرشٹاچار بڑھ رہا ہے ہم ایک خوفناک انقلاب کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ اس لئے میری پکار ہے کہ جاگو! دیکھو ہماری آزادی خطرہ میں ہے۔ اسے بچا سکتے ہو تو بچا لو!"

اوم — اوم

وینوگیت
(مسلسل)

از قلم شری موہن لال منشی

کیا باتیں ہو کرتی دیویوں کی. تو بچھ ذرا ان گئوؤں کو
کر لیتی ہیں کان [illegible] کرنے کو امرت پان سکھی
کیوں ہوتا سکھی ایسا ہے یہ بات بھی ایک رہسیہ کی ہے
شری من موہن گھنشیام کو ونا اس دوار سے نیتروں کے اپنے
اور انکے بچھڑے بچھڑوں کی تو بات ہی سکھی نرالی ہے
جب پیتے پیتے دودھ کبھی. تبھی وا دن سُن پاتے ہیں
جو مکھ میں ہے ہوتا دودھ کا گھونٹ نہ نگل سکیں نہ اگل سکیں
ہیں ہردے میں بھگوان انکے یہی بھاو اب جگنے لگتے ہیں

سُن سُن کر یہ سنگیت ادھر ہیں سنبھالتی اپنے کانوں کو
اور ہو جاتی ہیں مگدھ وہیں پی کر وہ امرت گان سکھی
کیوں ہم نہ کریں پھر ایسا ہی یہ بات ہمارے بس کی ہے
ہیں براجمان کر دیتی بس لیجا کر ہردوں میں اپنے
بھگوت چرنوں میں پریتی جو انکی درشانے والی ہے
کچھ دیکھ پچکتے سے ہو کر وہ جیوں توں جھٹکے رہ جاتے ہیں
نہیں ہوش ہی انکی قائم جب وہ کریں بھی تو پھر کیا کریں
آنند کے آنسو نیتروں میں پھر انکے چھلکنے لگتے ہیں

شلوک ۱۳ سکھی بولی:-

کیا باتیں ہو کرتی گئوؤں کی اور بچھڑوں کی تم پیاری سکھی
ان پکشیوں کو نہیں دیکھتی کیوں جو برندابن میں رہتے ہیں
سچ پوچھو تو ان میں سے؛ مہا رشی ہیں رشی منی آ بیٹھے ہیں
ہیں دیکھتے اور کھلی آنکھوں سے روپ مادھری وہ بن کی

جانے دو انکی بات کو تم یہ وستو ہے گھر کی ہماری سکھی
ہے سچ سچ بھول ہماری یہ جو ہم ان کو پکشی کہتے ہیں
جو سندر سندر ٹہنیوں پر ہیں بن میں آ بیٹھے رہتے
اور ہو جاتے ہیں نہال دیکھ کے پریم بھری چتون اُن کی

نہیں سُننا چاہتے شبد کوئی دُنیا کا کوئی ان کانوں سے
دھنیہ اُنکا ہے کتنا جیون یہ، جو پربھو پرائن ہو وچرتے ہیں
خوش ہوتے ہیں موہنی بانی سے یا ان بنسی کی تانوں سے
من بانی سے ہی پیاری سکھی وہ سمرن بس اسکا کرتے ہیں۔

شلوک ۱۵۔ کیا بات ہو کرتی دیویوں کی ان گئوؤں اور ان پکشیوں کی
جو بھنور دکھائی دیتے ہیں، ہیں بھاو وہ ان کے ہردے کے
اس ویگ میں انکا اے سکھی ہے رنگ گیا وہ پرواہ مانو
یہ پکڑ کے ان کے چرن کمل ہاتھوں سے اپنی ترنگوں کے
مانو یہ اُس کے چرنوں پر یوں ہردے نچھاور کرتی ہیں
یہ جتنی ہیں سب پیاری سکھی تم بات کرو ان ندیوں کی
ملنے کی سندر شیام سے ہیں تیہرا اچھیا دکھلاتے
سُن لی ہے انہوں نے بنسی دھُونی شری کرشن پربھو کی یوں جانو
ہیں کرتے اُن سے آلنگن اپہار چڑھا کر پھولوں کے
اور بہتی یہ دن رات سکھی سدا انکا نام سمرتی ہیں

شلوک ۱۶۔ یہ ہرنیاں تو اپنی ہیں پیاری سکھی یہ وِنتو نیں ہیں برندا بن کی
سنگ داؤ اور گوالوں کے دیکھتے ہیں جب من موہن گئو تے ہوئے
منڈلاتے ہیں لگنے تب شیام میگھ جب سکھا شیام ہر آن سکھی
جب ننھی ننھی بوندیوں کا یہ اُن پرورش کرتے ہیں
نہیں سکھی بہانے سے اس اپنا یہ جیون ہی نچھاور کرتے ہیں
دیکھو ان بادلوں کو ہی تنک جو کرتے ہیں جھلکتی موہن کی
انہیں دھوپ میں گئوئیں چراتے ہوئے اور بنسی بھی ساتھ بجاتے ہوئے
بنا اپنے شریر کا چھاتا سا دیتے ہیں اُس پر تان سکھی
مانو ہیں سندر سندر کسم جو یہ اُنکے ارپن کرتے ہیں
جس پریم میں ہیں یہ نہارتے ہوئے کون اسپر بار کرتے ہیں

شلوک ۱۷۔ شری گوراج گوردھن کی جھلکتی کا بھی اب ورنن سن
کیا سر لشٹ ہے یہ پربھو بھکتوں میں، اور دھنیہ ہیں اسکے بھاگیہ سکھی
شری بلرام اور کرشن پربھو کے ہے چھوتا سدا یہ چرن کمل
سنان کی خاطر دیتا ہے یہ جھرنوں کا جل گوالوں کو
وشرام کو ہے کندرائیں دیتا کند مول پھل کھانے کو
گوال بال اور گئوؤں کا یہ کرتا ہے دونوں کا ستکار
ہے ادبُھت جسکا پریم سکھی اور اونچیا ہیں جسکے بھاو امر گن
شری داؤ کے اور پربھو چرنوں میں ہے اس کا کیا انوراگ سکھی
بھاگیہ سرا ہے کون اسکے اب ہے اسکا جیون پرم سپھل
کیا ہری ہری سندر گھاس ہے یہ چرنے کو دیتا گئوؤں کو
ہے وستو میں یہ دھنیہ سکھی اُتساک سیوک بن جانے کو
پریم سے پرکھشٹ ہردے ہے پربھو کی اسپر دیا اپار

شلوک ۱۸۔ ان شیام اور گور کشوروں کی گتی ادبھت اور نرالی ہے
لپیٹ نو نا سر پر پھندا کندھے پر سجاتے ہیں
ہیں گوال بال بھی سنگ ہوتے، اور گیت مدھر یہ گاتے ہیں
سکھی چھوڑ دیا تیں منشوں کی، چلنے والے پشو پکشی بھی
اور اچل برکش جو سنتے ہیں، وہ بنسی کی تانیں مدھر مدھر
کیا اور سناؤں چمتکار، اس جادو بھری بنسی کا میں
کر پاتے ہیں جو انکا درشن، انہیں موہت کرنے والی ہے
گئوؤں کو پھیر اک بن سے یہ بن دوسرے میں لے جاتے ہیں
ہیں تانیں چھیڑتے بنسی کی، جو سنتے ہیں مگن ہو جاتے ہیں
سُنکر جیسے جڑ ندی نالے بھی ستھر ہو جاتے ہیں پیاری سکھی
رومانچ ہے ایسے ہو جاتا، نہیں بچتے اس سے دیتیہ اُسر
ہے مگدھ جو کر دیتی سبکو، جو اس کی تانیں سنتے ہیں

شلوک ۱۹۔ اے پرکھشٹ کیا بتاؤں میں، کیا ہیں بنسی لیلائیں
اور ہو جاتی ہیں تن سے وہ کر کر کے انکا یہ ورنن
اُس برندا بن بہاری کی، جو کرتی ہیں ورنن للنائیں
جو سپھرت ہیں ہوتے لگتی پھر ہردوں میں اُنکے اے راجن

صفی

اوم

ایک انگریز ڈاکٹر ڈیوڈسن کی

ادبھت کرشن بھکتی

اوم

تمہیدی نوٹ :- ایک سجن بھگت رام شرن داس جی پلکھوا کا لیکھ (KALYAN) کلیان گورکھپور بابت اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ اپنے ایک مِتر شری راج نرائن جی شرما کے ساکن ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی زبانی سنتے ہوئے اس انگریز ڈاکٹر کی کرشن بھکتی کا حال لکھتے ہیں۔ یہ بڑا روچک اور بہت گراہی ہے اوم کے پاٹھک ورند کیلئے اس کو سنکشیپ سے یہاں لکھنے کی چیشٹا کرتا ہوں! آشا ہے کہ وہ اس سے لابھ اٹھائیں گے اور اپنے بھکتی بھاو کو زیادہ درڑھ کر لینگے۔

(صفی)

لگ بھگ سنہ ۱۹۱۸ء (یعنی آج سے پچاس سال پہلے) کی بات ہے کہ مقام بابوگڑھ، ضلع میرٹھ میں ایک انگریز ڈاکٹر ڈیوڈسن صاحب تعینات ہوکر آئے۔ یہ بڑے ملنسار اور ساتوک وچاروں کے ویکتی تھے۔ اور کرشن بھگت پُرش تھے۔ انکے متعلق یہ بات مشہور تھی۔ کہ انہوں نے شری کرشن بھکتی اور شری کرشن نام جپ کے بل پر الوکک سدھیاں پراپت کر لی ہیں۔ اور پراچین رشیوں کی آتماؤں سے بھی انکا سمبندھ قائم ہو گیا ہے۔ اور اُن سے باتیں کرتے ہیں۔ گھر بیٹھے ہی سب جگہوں کا حال جان لیتے ہیں۔ ان کے کمرے میں بھگوان کرشن کی انسان کے قد کے برابر لمبی اور چوڑی ایک نہایت خوبصورت تصویر رکھی ہوئی تھی۔ اور ڈاکٹر صاحب اس کے سامنے کھڑے ہو کر شری کرشن نام کیرتن کیا کرتے تھے۔ اور نرتیہ کر کے آتم وبھور ہو جاتے۔ اور انہیں تن من کی سدھ نہ رہتی کبھی کبھی وہ اس برتانت سنانے والے پنڈت راج نرائن جی شرما کے پتاجی کے پاس ہاپوڑ چلے آتے اور جب کبھی موقع ملتا تو اُنکے پتاجی شری مکندلال جی شرما بھی ڈاکٹر صاحب کو ملنے بابوگڑھ پہنچ جاتے۔ اس طرح سے ان کا باہمی میل جول ہوتا رہتا۔

(۲) ایک دن ان کے پتاجی کچھ مِتروں کو ساتھ لے کر بابوگڑھ پہنچ گئے۔ وہاں جا کر وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا کمرہ اندر سے بند ہے۔ اور اس کے اندر سے کچھ گانے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ (لیکھک کے شبدوں میں ہی پڑھیں) پتاجی کمرے کے پیچھے کی طرف گئے اور اُدھر کے کمرے میں پیچھے کی طرف کے جنگلے سے جھانک کر دیکھا تو انہیں اس کمرے میں ایک منش کے برابر آکار (قد) کی بھگوان شری کرشن کی ایک بڑی سندر اور منوہر پرتیما (چتر یا تصویر) دکھائی دی، ڈاکٹر ڈیوڈسن صاحب بھگوان کی اُس مورتی کے سامنے کھڑے ہو کر نرتیہ کرتے ہوئے (ناچتے ہوئے) شری کرشن کیرتن کر رہے تھے، انہوں نے سمجھا کہ انگریز لوگ شراب پیتے ہیں۔ آج انہوں نے بھی زیادہ شراب پی ہے۔ اور اس کے نشے میں ناچ رہے ہیں۔ اس لئے اب انہیں ملنا اور بات چیت کرنا اُچت نہیں ہے۔ ایسا اپنے من میں وچار کر وہ لوگ وہاں سے چپکے چل دیئے! لیکن ڈاکٹر صاحب کو شری کرشن نام کیرتن اور ان کے نام جپ آدی کے دوارا ایک ادبھت

شکتی پراپت ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ اُن کے من کی بات کو بڑی اچھی طرح سے جان گئے۔ اور اسی وقت باہر نکالکر اُن لوگوں کو جو ابھی تھوڑی دُور ہی گئے تھے۔ واپس بُلایا۔ اور پُوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا۔ اور کیا سمجھا؟ اس پر میرے پتاجی نے کہا کہ صاحب ہم نے کچھ نہیں سمجھا ہے۔ ڈیوڈسن صاحب نے کہا کہ شاید آپ لوگوں کو یہ بھرم ہوا تھا کہ آج صاحب شراب ادھک پی گئے ہیں اور اس لئے نشے میں ہی جھوم ناچ رہے ہیں، پر ایسی بات نہیں ہے یہ آپکا بھرم ہے۔ صاحب کے مُنہ سے اپنے من کی بات سُنکر سبھی دنگ رہ گئے، اور پتاجی بولے: جی ہاں صاحب ہمارے من میں یہی بات آئی تھی جو آپ کہہ رہے ہیں۔ پر آپ کو ہمارے من کی بات معلوم کیسے ہوئی؛ صاحب نے جواب دیا اچھا آپ میرے اس کمرے میں آئیے۔ یہ کہکر صاحب سبکو اپنے ساتھ والے کمرے میں لے گئے۔ اور اندر لیجا کر صاحب نے دکھایا کہ ایک مُنشیہ کے قد کے برابر سنگ مرمر کی بڑی ہی سُندر بھگوان شری کرشن کی دویہ پرتما (مورتی) وہاں براجمان ہے اور وہ بہت ہی سُندر وستر ابھوشنوں سے پُشپ ہاروں سے سجی ہوئی ہے۔ پھر صاحب نے کہا شرماجی، میں انہیں اپنے پرم اشٹ دیو بھگوان شری کرشن کے سامنے کھڑا ہو کر شردھا کیرتن کر اپنے پربھو بھگوان شری کرشن کو رجھا رہا تھا۔ اور اس شری کرشن پریم کی شراب کے نشے میں ہی جھوم رہا تھا اور کوئی بات نہیں، ایک ودیشی اور اناتیہ دھرم والے انگریز کے کمرے میں بھگوان شری کرشن کی اتنی سُندر پرتما دیکھکر اُن کے مُنہ سے شری کرشن بھگتی کی سُندر اور رسیلی باتیں سُنکر سبھی بہت حیرت بن اور کرتیہ کرتیہ ہو گئے۔

۴۔ یہ کرشن بھگت ڈاکٹر ڈیوڈسن صاحب مانس مدرا کھانا پینا تو دُور رہا اُن کو چھونا بھی گھور پاپ سمجھتے تھے۔ آپ سچ مچ ایک پرم وشنو بن گئے تھے۔ اور ہندو دھرم گرنتھوں میں آپکی بڑی شردھا ہو گئی تھی اور ہندو سناتن دھرم کو آپ سروشریشٹھ اور پُورن دھرم مانتے تھے۔ (یعنی اعلیٰ اور عظیم ترین اور ہر پہلو سے مکمل) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلے آپکو شری کرشن بھگتی کا چسکا افریقہ میں لگا تھا۔ اور پھر متھرا نگری میں آنے پر آپ پر کرشن بھگتی کا پُورا پُورا رنگ چڑھ گیا۔ اور بھگوان کی مُورتی کے سامنے کھڑے ہو کر وہ شردھا کیرتن کرنے لگ گئے۔ جس سے نہ صرف انکے پریم میں وردھی ہوئی بلکہ ان کے آنترک نیتر کھل گئے اور سدھیاں پراپت ہو گئیں۔

الوکک سدھی کا ادبھت چمتکار:۔ ایک دن آپ نے اپنے متر پنڈت مکند لال جی کے بڑے لڑکے شری پنڈت راج بہاری لال کو ان کے مکان واقع ہاپوڑ پر آکر یہ کہا: بیٹا راج بہاری لال آج تمہیں میرے ساتھ لکھنؤ جانا ہے۔ اس لئے تم جھٹ سے تیار ہو جاؤ۔ انکے پوچھنے پر کہ آپ کس کام کے لئے وہاں جانا چاہتے ہیں، صاحب نے کہا کہ بیٹا وہاں چلنے کا کارن نہ پوچھو، بس ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو جاؤ، شرماجی نے ان کے ساتھ جانا بڑی خوشی سے سویکار کر لیا، وہ شام کی گاڑی سے لکھنؤ روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچکر گاڑی سے اُترتے ہی ڈاکٹر صاحب نے شرماجی سے کہا کہ بیٹا چلو ذرا بازار گھوم آئیں۔ شرماجی صاحب کیلئے سواری لینے کو کچھ آگے بڑھے تو صاحب نے انہیں روک کر کہا کہ سواری میں نہیں پیدل ہی چلیں گے، اب دونوں بازار کے لئے چل پڑے اور ایک پاس کے بازار میں پہنچ گئے۔ کچھ دُور چلکر ڈیوڈسن صاحب اچانک ایک مالا بیچنے والے کی چھوٹی سی دُکان پر جاکر رُک گئے اور

اس دوکاندار سے ایک چھوٹا سا تالا خریدا۔ جس کی قیمت پانچ چھ پیسے سے زیادہ نہ ہوگی۔ لیکن آپ نے دوکاندار کے ہاتھ میں دو روپیہ کا نوٹ دیدیا۔ اور اس سے باقی پیسہ لئے بنا ہی آگے چلدیئے۔ کچھ دور چلنے پر شرما جی نے اُن سے پوچھا، صاحب! آپ نے دوکاندار سے تالا تو پانچ چھ پیسہ کا لیا ہے۔ لیکن اُس کے بدلے میں اُسے نوٹ دو روپیہ کا دیدیا۔ کیا باقی پیسے اس سے لینا آپ کہیں بھول تو نہیں گئے ہیں؟ اس کے جواب میں کرشن بھکت ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ارے بھائی راج بہاری۔ اس غریب تالے والے کو آج روپیوں کی بڑی سخت ضرورت تھی، کیونکہ اس غریب کے گھر تین دنوں سے روٹی نہیں پکی، آگ تک نہیں جلی ہے۔ اور اس کے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ راج بہاری لال کو صاحب کی ان باتوں پر وشواس نہ ہو سکا اور وہ اپنے من میں سوچنے لگے کہ صاحب اور میں دونوں ساتھ ہی باہر سے چلکے یہاں آئے ہیں۔ اور ایک سکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے، پھر ان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اس غریب کے گھر تین دنوں سے روٹی نہیں بنی یا آگ تک نہیں جلی، اور اس کے بال بچے بھوک کے بلبلا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے صاحب یہ سب بناوٹی باتیں کر رہے ہیں۔ اب انہوں نے صاحب سے کہا آپکی ان باتوں پر میں کیسے یقین کر لوں، یہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟ یہ سُنکر ڈاکٹر صاحب مُسکرا دیئے اور پھر پیچھے لوٹے اور ٹھیک اسی دوکاندار کی دوکان پر رُک گئے، پنڈت جی ساتھ ہی تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے اسے نوٹ کے باقی پیسے لوٹا دینے کو کہا تو اُس غریب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور دُکھ بھری آواز میں گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ حضور میں نے تو آپ کے ان دیئے ہوئے روپوں کا آٹا لے کر ابھی ابھی اپنے گھر بھیجدیا ہے۔ میرے بال بچے تین دن سے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ تین دنوں سے میرے گھر روٹی نہیں بنی آگ تک نہیں جلی۔ اب آپ جو چاہیں مجھے دنڈ دیں۔ میرے پاس آپکو دینے کے لئے اس وقت کوئی پیسے نہیں ہیں۔ سخت لاچار ہوں۔ تالے والے کے مُکھ سے یہ باتیں سُنکر راج بہاری لال جی شرما آشچریہ چکت رہ گئے کہ کچھ دیر پہلے ڈاکٹر ڈیوڈسن نے جو باتیں بتائی تھیں اب وہی دوکاندار بتا رہا ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے راج بہاری لال جی سے کہا کہ میرا لکھنؤ آنے کا ایک ماتر کارن اور اُدیش بس یہی تھا۔ مجھے پرم اشٹ دیو بھگوان شری کرشن نے ہی یہ پریرنا کی تھی کہ تو لکھنؤ جا کر تالا بیچنے والے اُس غریب آدمی کی کچھ مدد کر آ۔ اس پریرنا سے ہی میں تمہیں ساتھ لے کر یہاں آیا تھا۔ میرا یہاں آنے کا اور کوئی کارن نہیں ہے۔ اور وہ کاریہ پورا ہو گیا۔ اس لئے اب واپس ہاپڑ چلو۔ یہ تھا ڈاکٹر صاحب کو کرشن بھکتی سے پراپت سدھیوں کا چمتکار!

ڈاکٹر صاحب کا بھوجن بالکل سادھوک ہوتا تھا۔ آپ مانس مدرا انڈے، مچھلی وغیرہ سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ چائے بیڑی، سگرٹ تک وہ نہیں پیتے تھے، اور اس بات کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ کہ اس کے بھوجن کو گندے اور جھوٹے (اپوتر) ہاتھ نہ لگیں۔ آجکل کے پتھ بھرشٹ لوگ تو گئو بھکشکوں کے جُھوٹے برتنوں میں کھا پی لیتے ہیں۔ لیکن اس کرشن بھکت انگریز کی برتی بالکل وشنو تھی۔ ایک دفعہ انکے مسلمان خانسامہ نے انکے لئے آلوؤں کی سبزی بنائی۔ اور یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا نمک ٹھیک پڑا ہے یا نہیں۔ اس نے ہنڈیا سے ایک آلو نکالا اور دانت سے کاٹکر چکھ لیا اور پھر اسی جھوٹھے آلو کے ٹکڑے کو ہنڈیا میں ڈال دیا۔ مسلمان خانساموں کیلئے ایسا کرنا تو ایک معمولی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کھانا کھاتے وقت اس اذیت

سے کٹے ہوئے آلو کے ٹکڑے کو دیکھکر خانساماں سے پوچھا کیا تم مجھے اپنا جوٹھا آلو کھلاتے ہو۔ وہ بولا حضور میں نے تو ایسا کبھی نہیں کیا۔ صاحب نے اسی وقت اسے وہ آلو کا ٹکڑا دکھایا اور ڈپٹا تو پھر وہ مان گیا اور معافی مانگنے لگا۔ لیکن صاحب نے اُسے نوکری سے برخاست کردیا اور بہت دنوں تک اپنے ہاتھ سے ہی بھارتیہ ہندو طریقہ سے ویشنو بھوجن کرتے رہے۔ صاحب نے ہاپوڑ سے راج بہاری لال شرما کو بُلا کر کہا کہ اس مسلمان خانساماں نے مجھے اپنا جوٹھا کھلا کر میرا دھرم بگاڑ دیا ہے۔ اب میں کسی مسلمان کے ہاتھ کا بنا ہوا بھوجن نہیں کھاؤنگا۔ آج تم نے اپنے گھر سے کھانا منگوا کر ہمارے لئے بھیجنا ہے"۔ راج بہاری لال جی نے فوراً کھانا تیار کرا کر بھجوا دیا۔ اس میں کریلے کا ساگ بھی تھا جو صاحب کو بہت پسند آیا۔ ایک دفعہ کھانا بناتے ہوئے انکی انگلی جل گئی تھی لیکن بعد میں ابھیاس ہو جانے سے وہ اپنے ہاتھ سے ہی بھوجن بنانے میں آنند مانتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ شُدھ ساتوک بھوجن دوارا ہمارا من بھی شُدھ اور ساتوک بن سکتا ہے اور شُدھ من کے دوارا ہی بھگوان شری کرشن کی بھجن بھگتی ہو سکتی ہے۔ اس لئے بھوجن پر دھیان دینا اتی آوشک ہے لیکن آجکل سُدھار اور پرگتی کے نام پر ہمارا کھان پان بھرشٹ ہو رہا ہے اور جوٹھن کھانا اور اپوتر رہنا اُنتی (ترقی) کے لکشن بن گئے ہیں۔ یہ بڑے ہی دُکھ کا وشے ہے۔ بھولے بھائیوں کو اس انگریز کرشن بھکت کے چرتر سے سکھشا گرہن کرنی چاہئے۔" فقط "جگن ناتھ صفی"

مُرلی منوہر بھگوان کرشن چندر جی مہاراج

(از روشن میاپوری)

تھے گمراہوں کے حق میں کرشن جی اک رہبر کامل
انہوں نے قوم کا نغمہ سُنایا زندگانی کا
نکالا سازِ ہستی سے اچھوتا نغمۂ راحت
ہمارے دل منور کر دیئے نورِ رفاقت سے
انہوں نے ہمکو بھر بھر کر دیئے جام مئے عرفاں
زمانے میں وہ اوصاف حمیدہ کا تھے مجموعہ
جو تھے مظلوم و بیکس اُن کی آ کر دستگیری کی
وفا کی بربط دل پر سُنائی راگنی پیاری
وہ نفرت کے عدو تھے اور شیدائے محبت تھے
پیام راستی ہر گوشۂ عالم میں پہنچایا
نیا احساس بیداری جگانے کے لئے آئے
بچایا ہمکو ہر آفت سے ظلم و بربریت سے
ضیائے راستی سے بزم دُنیا کو کیا روشن

اُنہوں نے ہی دکھائی آدمیت کی ہمیں منزل
زمانہ معترف ہے آج ان کی مہربانی کا
ہوئی کافور جس سے قوم کے افراد کی کلفت
ہمیں پھر آگہی بخشی رموز آدمیت سے
کئے بیدار اہل قوم کے سوئے ہوئے ارماں
وہ مخزن تھے حقیقت کا، وہ معدن تھے صداقت کا
برائے قوم انہوں نے وقف کر دی زندگی اپنی
کیا پیدا انہوں نے پھر سے احساس وطن داری
علمبردار حق تھے، آشنائے راز وحدت تھے
ہوئے سنکر جیسے مسحور انہوں نے راگ وہ گایا
محبت کا ہمیں نغمہ سُنانے کے لئے آئے
اُٹھایا پردۂ اوہام ذہن آدمیت سے
ہر اک انسان کے دلکو بنایا پریم کا مسکن

اوم　　اوم

مہلک مادی تہذیب

(از قلم دیوان پنڈی داس جی چوپڑہ بی۔ اے۔ نئی دہلی)

آج دنیا پر مادی تہذیب کا تسلط ہے۔ اس مادی تہذیب کے زیر اثر آئے دن عظیم طوفانی انقلاب واقع ہوتے ہیں۔ پروانہ کی طرح انسان اس تہذیب کی ظاہری چمک کی طرف دوڑتا ہے۔ اور اس میں جل کر سیاہ خاک ہو جاتا ہے۔ تاہم چونکہ سُکھ کے لئے تڑپ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس مہلک تہذیب کے زیر اثر بھی وہ نت نئی کھیوریاں قائم کرتا ہے اور شانتی و امن کے حصول کے لئے نت نئے نظام اختراع کرتا رہتا ہے۔ پھر بھی نتیجہ ہر حالت میں تباہی و تشویش ہی ہوتا ہے۔ سوسائٹی میں امن و راحت کے قیام کی خاطر یوروپ میں انسان نے کئی قسم کا طرز حکومت قائم کیا۔ پھر بھی آج تک جمہور (عوام) کو کسی جگہ سُکھ نصیب نہ ہوا۔ فاسزم، نازی ازم، کمیونزم، وغیرہ کسی کو بھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ نصیب ہوئی۔ اور حضرت انسان آرام و امن کی تلاش میں مرگ تشنہ ہی رہا۔ اور کسی مذہب، کسی فلسفہ اور کسی طرز حکومت نے اس کی رہنمائی و مدد نہ کی۔

درحقیقت موجودہ مغربی تہذیب کی بنیاد سائنس کی ترقی پر ہے۔ تعلیم کی اشاعت پر ہے۔ حقوق کیلئے جدو جہد پر ہے۔ نفسا نفسی پر ہے۔ نفس پرستی پر ہے۔ لیکن سائنس بذات خود اندھی ہے، یہ ایک عظیم و مہیب طاقت ہے جو کہ اخلاقی و روحانی رہنمائی کے بغیر انسان کو صرف تباہی کر سکتی ہے۔ تعلیم ایک روشنی ہے۔ جو کہ دھارمک رہنمائی کے بغیر انسان کی آنکھوں کو خیرہ ہی کر سکتی ہے۔ صرف حقوق کے لئے جدو جہد (بغیر کسی فرض کے احساس کے) دنیا میں ہمیشہ عالمگیر تباہی کا منظر ہی پیدا کر سکتی ہے۔ نفسا نفسی (صرف اپنے لئے جینا) سوسائٹی کی خودکشی کے سامان ہی پیدا کر سکتا ہے اور نفس پرستی سے انسانی ذات کی ہلاکت ہی ہو سکتی ہے۔

اب اس مہلک مادی تہذیب کے اثرات کا علاج اگر ہے، تو صرف ہندو دھرم کے پاس ہی ہے لیکن وائے افسوس آج ہندو قوم خود اپنے پراچین آدرش سے گر چکی ہے، خود چاہ ذلالت میں پڑی ہے۔ خود خوار و ذلیل ہے۔ یہ اپنے دھرم کو تیاگ چکی ہے دھرم اسے تیاگ چکا ہے۔ یہ بد قسمت قوم آج خود اپنی مدد آپ نہیں کر سکتی ہے۔ یہ دنیا کو مشعل ہدایت کیا دیگی۔ ؎

خراب ہے ہندوؤں کی حالت زمانہ بالکل بدل گیا ہے　　نہ دھرم وہ ہے نہ کرم وہ ہے نہ صدق وہ ہے نہ وہ وفا ہے
نہ شاستر کا ہے شوق باقی نہ گیان کا نام اور پتہ ہے　　مرض لگا اپنی جان کا وہ علاج اس کا نہ کچھ دوا ہے

نہ کرم باقی نہ دھرم باقی نہ ہم میں پہلا وہ گیان باقی　　نہ یم پرانے نہ نیم باقی نہ یوگ باقی نہ دھیان باقی
نہ جسم میں تاب و تواں ہے نہ جان میں آہ جان باقی　　رہا ہی حال نور ہے گا نہ اپنا نام و نشان باقی

اوم اوم

ہندو دھرم کا سروناش نہ کرو

(شری۔ کے۔ ایم۔ منشی)

ہندو دھرم سے مراد محض ہندوؤں کا مذہبی سسٹم۔ اس کے اصول آدرش اور مذہبی رسوم ہی نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد بنیادی قدریں بھی ہیں جو نسل بہ نسل ہمارے مجلسی، اخلاقی اور روحانی طریق زندگی پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں۔ اس دھرم کو ہندو دھرم کا نام دیا گیا ہے لیکن وہ قدیم فطری دھرم ہے۔ ایسا دھرم جو سچا اور زندگی بخش ہے۔

ہندو دھرم کسی زمانہ کے کسی خاص وقت شروع نہیں ہوا اور نہ ہی اسکی بنیاد کسی خاص شخص نے رکھی ہے۔ وہ شروع سے ہی چلا آ رہا ہے، اس لئے کہ وہ عالمی دھرم ہے اور کسی علاقہ میں محدود نہیں بنی نوع انسان کا جو فرد پیدا ہوا ہے یا پیدا ہوگا ہندو دھرم سے تعلق رکھتا ہے۔ سرشٹی کے آغاز سے ہی ہماری پرارتھنائیں ساری دنیا کے لئے رہی ہیں۔ ہندو دھرم میں وہ جوش اور ولولہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جب بھی اُسے چیلنج کیا گیا تو اس نے ایک تخلیقی طاقت کو بڑھایا اور وہ فتح مند اور کامران ہوا۔

ہندو دھرم کی نشو و نما یونان اور روم کی تہذیبوں کے عروج سے بہت پہلے ایک طریق زندگی کے طور پر ہوئی اور اسکا ایک مخصوص سوشل اور اخلاقی پس منظر تھا۔ یونان اور روم کی تہذیبیں آج عجائب گھروں کی زینت بن چکی ہیں لیکن تاریخی ابتدا اور مصائب کے باوجود ہندو دھرم آج بھی پہلے کی طرح پوری شادابی کے ساتھ موجود ہے۔

یہ بات نہایت تعجب خیز ہے کہ ہندو دھرم ہر زمانہ کے تنظیم مجلسی اور سیاسی انقلاب نیز علاقائی حملوں کے باوجود ہزاروں سال سے زندہ ہے۔ ہندو دھرم نے ان چیلنجوں کا کس طرح مقابلہ کیا اور اپنے آپ کو نئے حالات کے سانچے میں ڈھالا۔ وہ اس امر کی واضح شہادت ہے۔ کہ اس میں داخلی طاقت ہے! اور نہ ختم ہونے والے قوت اور جوش ہے۔

جدید ہندو دھرم کا پیغمبر۔ شنکر آچاریہ۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ آٹھویں صدی میں جبکہ ہندوستانی تہذیب و تمدن میں انتشار پیدا ہوا تو ہندو دھرم نے اس چیلنج کا کس طرح مقابلہ کیا۔ کرم کانڈ جو روحانی قدروں کو پس پشت ڈالکر قربانیوں پر زور دیتا تھا شکتی مت اور بودھ مت وغیرہ سے ہندوستان میں انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ اور تب آپ کو معلوم ہے کہ شنکر بھگوت اُٹھے اور انہوں نے ہندو دھرم کو ایک تازہ قوت بخشی۔ انہوں نے زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا۔ بارہ سو برس گذرنے کے بعد ہماری زندگیوں پر انکا اثر باقی اور جاری ہے۔ شنکر بھگوت پد نے جو زندگی گذاری اور جو کامیابی حاصل کیں ہیں اُن پر اکثر حیران ہوتا ہوں۔ ۳۲ برس کی چھوٹی سی عمر میں انہوں نے معجزہ کیا۔ انہوں نے مختلف مت متانتروں کے اثر و رسوخ کو زائل کیا اور ہندو دھرم کو مضبوط بنیادوں پر قائم و برقرار کیا انہوں نے ملک بھر میں سنیاس آشرم قائم کئے اور پیٹھ بنائے۔

وہ ایک کوی۔ گورو۔ ریفارمر اور فلاسفر تھے۔ وہ معجزہ دکھانے والی طاقتوں کے ایک روشن دماغ یوگی تھے! انسانوں میں انکی نظیر ملنا بہت مشکل ہے۔ ان میں بیک وقت دو ایسی خوبیاں تھیں جو ایک دوسرے کے اُلٹ ہیں اور جن کا ایک ہی شخص میں اکٹھے ہونا ناممکن ہے یہ دونوں خوبیاں مادیت اور روحانیت کی تھیں جو کہ ہم میں الگ الگ پائی جاتی ہیں آج ہندو دھرم میں جو قوت پائی جاتی ہے اسکے لئے ہم شنکر اچاریہ کے

احسانمند ہیں۔ انہوں نے مختلف مذہبی خیالات کو یکجا کیا اور ویراگ اور بھگتی کی عظمت اور برتری کو قائم کیا۔

ہندو دھرم لافانی ہے — ہندو دھرم کو اس قسم کے چیلنج کا سامنا سترہویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی میں درپیش ہوا۔ مسلمان بادشاہوں کے عہد میں ہندوؤں کو عموماً ایک گھٹیا نسل کے افراد تصور کیا جاتا تھا۔ ان کے پوجا استھانوں کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ ان کے سکھشا کیندر تباہ کر دیئے گئے۔

مثال کے طور پر وشویشور مندر (کاشی) اور سومناتھ مندر کو لیں۔ سومناتھ مندر کو سنہ ۱۰۲۴ء سے سنہ ۱۷۰۶ء تک کے عرصہ میں کئی بار تباہ کیا گیا۔ حتی کہ اورنگ زیب نے حکم دیا کہ اس مندر کو اس حد تک مسمار کر دیا جائے کہ اسکی مرمت بھی نہ ہو سکے۔ اس ظلم و ستم کے باوجود ہندوؤں نے حیران کن طاقت کا ثبوت دیا۔ ان سات سو برسوں میں جب بھی سومناتھ مندر کو تباہ کیا گیا۔ اس کو تعمیر کرایا گیا اور اس کی ماضی کی شان و شوکت کو ایک بار پھر بحال کر دیا گیا۔ آخری بار سومناتھ مندر کو سنہ ۱۹۵۰ء میں اسکی پہلے جیسی عظمت دی گئی۔ جبکہ سورگیہ ڈاکٹر راجیندر پرشاد نے مندر میں سومناتھ کی مورتی ستھاپت کی۔

اسی طرح اگرچہ ابراہیم لودھی نے پندرھویں صدی میں برندابن کو بری طرح پامال اور برباد کر دیا تھا لیکن کرشن بھگتی کو دبائے نہ دبایا جا سکا اور پوری آن بان اور شان و شوکت سے فتح مند اور ظفر یاب ہوئی۔ بھگتی کی لہر سارے ملک میں پھیل گئی۔ اور مشرق میں نادیہ چیتنیہ کی جنم بھومی سے مغرب میں دوارکا تک چھا گئی اور ہندوؤں کے تمام پوجا استھان پہلے کی طرح دھرم کے سرگرم کیندر بنے رہے۔

ہندو دھرم کو ایک بار پھر اسی قسم کے چیلنج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جبکہ انگریز نے ہندوستان کو فتح کیا۔ ایک طرف انہوں نے ہندوؤں سے عیسائی بنانے کے سلسلہ کی حوصلہ افزائی کی اور دوسری طرف مغربی تعلیم کے ذریعے انہوں نے ہمارے اس اعتقاد کو متزلزل کرنے کی کوشش کی جو ہماری پرانی روایات میں تھا۔

دھرم کے بغیر زندگی بے کار ہے — ہم نے اس چیلنج کو بھی منظور کیا۔ راجہ رام موہن رائے۔ رام کرشن پرم ہنس۔ دیانند سرسوتی۔ وویکانند۔ تیرتھ، اربندو، رمن مہرشی اور مہاتما گاندھی نے ہندو دھرم کو سرجیوت کرنے کی تحریک کی رہنمائی کی۔ مختلف مٹھ کے شنکر آچاریوں نے سادھوؤں نے اور آریہ سماج جیسی دھارمک سنستھاؤں نے ہندو دھرم کو ایک نئی طاقت بخشی۔ اور ہندوؤں میں دھارمک جذبات پیدا کئے۔

اب ہندو دھرم کو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے چیلنج کا سامنا ہے۔ ان دونوں چیزوں کی دین شہری زندگی ہے جہاں روپیہ اور کامیابی ہی زندگی کے سب سے بڑے دلکش ہیں۔ جہاں کوئی مقررہ مجلسی معیار نہیں ہیں۔ جہاں سکول اور کالج ایک ایسی فضا پیدا کرتے ہیں جن میں مادی قدروں کو ہی اہمیت حاصل ہے اور جو اخلاقی دھارمک اور روحانی قدروں سے بیگانہ محض ہیں۔ انکے مندر سینما ہیں اور مذہب عیاشی ہے۔ جو پڑھے لکھے لوگ مغرب سے فرسودہ خیالات لیتے ہیں اور وہ یہ یقین کرنے لگتے ہیں کہ مذہب اور سائنس میں فطری تضاد ہے۔ یہ جدید خیال مغرب کا ڈھکوسلہ ہے۔ ہندو دھرم نے اپنے دھارمک سسٹم میں ہمیشہ ہی سائنس کو ایک مخصوص مقام دیا ہے ہم ہمیشہ سے ہی یہ یقین کرتے آئے ہیں کہ دھارمک اصول اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ جبکہ وہ ڈھکوسلوں پر مبنی ہوں نیز سائنس اور مادیت ایک انسان کی دھارمک خواہشات کو پورا نہیں کر سکتی۔

اگر زندگی سے دھرم خارج ہو جائے — بہت سے پڑھے لکھے لوگ جو کہ مغرب کی شان و شوکت سے متاثر اور مسحور ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ دھرم برائیوں کا منبع ہے یا کم سے کم ایک اچھی اور خوشگوار زندگی کیلئے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان سے کہونگا کہ وہ اس مسئلہ پر

غور و خوض کریں۔ اگر ہماری زندگی میں سے دھرم کو خارج کر دیا جائے تو کیا ہوگا؟ اگر رامائن اور مہابھارت کو ہم بھلا دیں تو ہماری زندگی میں کیا رہ جائیگا۔؟ اگر ہماری زندگی میں سے شری کرشن اور بھگوت گیتا کو نکال دیا جائے تو کیا باقی بچے گا؟ اگر ہماری دھارمک رسوم پرارتھناؤں کو جو کہ ہماری زندگی کو پائیداری بخشتی ہے ترک کر دیا جائے اور اگر لاکھوں مندروں کو جن میں ہمارا صدیوں سے اعتقاد رہا ہے تباہ کر دیا جائے تو ہمارا کیا بنے گا۔؟"

اگر ایسا ہو جائے (جیسا کہ دھرم میں کیڑے نکالنے والے چاہتے ہیں) تو تمام برائیاں قائم رہینگی۔ تنگ دلی، نفرت، خود غرضی لالچ اور لڑائیاں الغرض ہر وہ چیز جس کے لئے پڑھے لکھے لوگ دھرم کو ذمہ دار گردانتے ہیں قائم رہیں گی اور اس صورت میں ہم ترقی اور نیکی کے اثرات سے محروم رہ جائیں گے۔

زندگی سے لطف حاصل کرنے کے لئے ذرائع بہت بڑھ گئے ہیں لیکن قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس کے باوجود خوشی اور مسرت میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس کا واحد منطقی نتیجہ یہ ہے کہ خوشی اور مسرت لانے کا جو سب سے بڑا عنصر ہے۔ وہ دھرم میں سرگرم ہوتا ہے جب تک ہم دھرم کا سرگرم جذبہ اپنے اندر نہیں رکھیں گے۔ پاکبازی اور بے غرضی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے کیونکہ دھرم انفرادی اشخاص اور سوسائیٹی دونوں کو پاکیزہ اور پوتر بناتا ہے۔

نئے چیلنج کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ہمیں اس نئے چیلنج کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک ہمیں جتنے بھی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا ہے ان میں سے یہ سب سے بڑا چیلنج ہے۔ دھرم کو ایک نئی شکتی دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے دھارمک کام جدید دنیا کے لوگوں کے لئے باعث اطمینان ہونے چاہئیں۔ ہماری مذہبی رسومات سے لوگوں کا سدھار ہو اور ہمارے دھارمک نشانات اور علامات پر زیادہ دینے والی ہوں مندر صاف ہونے چاہئیں اور انکا ماحول پوتر ہونا چاہئے۔ پرارتھنا کے وقت جو گیت گائے جائیں۔ وہ روح پرور ہوں۔ ہمارے پجاری نوجوان ہوں۔ اور دھرم میں پورا پورا اعتقاد رکھتے ہوں۔ ہمیں کبھی یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ ہمیں جن چیزوں سے دھارمک اخلاقی اور تمدنی پریرنا ملتی ہے انکا منبع سنسکرت ہے بد قسمتی سے جدید زندگی کی ضرورتوں اور مصلحتوں نے بھارت سرکار کو ایک تین بھاشائی فارمولا مرتب کرنے پر مجبور کیا ہے جس میں سنسکرت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے لیکن جس طرح بھی ہو ہمیں سنسکرت کی تعلیم کو فروغ دینا چاہئے۔ کیونکہ ہندوستان کی یہی سب سے بڑی اور بنیادی زبان ہے۔

یہ دیکھکر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ کہ سنسکرت زبان۔ گورنمنٹوں اور امیر لوگوں (جنہیں دھرم میں اعتقاد نہیں ہی کی سرپرستی سے محروم ہو گئی۔ ہے۔ لیکن یہ جنتا کا زمانہ ہے۔ لوگوں کو آگے بڑھنا چاہئے۔ اور سنسکرت کی حمایت کرنا چاہئے۔ ہندو دھرم کو نیا جیون دینے کے لئے جو سرگرمیاں کی جائیں وہ ہمارے قدیم مندروں اور تمدنی اداروں میں ہوں۔ دھرم کو ایک بے جان جسم میں آتما کی حیثیت حاصل ہے۔

جاگو! آزادی چلی نہ جائے

آج ۲۶ جنوری کا پوتر دن ہے۔ اپنے اندر جھانکنے کا دن ہے۔ دیش کی یہ درد شا کیوں ہو رہی ہے؟" ہم سمت میں غلط راہ پر جا رہے ہیں۔ ہمارا ہر ایک قدم ہمیں منزل سے دور لے جا رہا ہے۔ ہمارے کانگریسی نیتاؤں نے غلط سمجھا کہ دیش

بعد ہمیں جو آزادی نصیب ہوئی ہے یہ رشیوں منیوں اور گوروؤں کی تپسیا اور بلیدان کا نتیجہ ہے۔ یہ تپسیا یہ بلیدان ہندو دہرم کی رکشا کے لئے ہندو سنسکرتی کو بچانے کے لئے تھے۔ سوامی ویویکانند جہاں بار بار کہتے تھے اپنے ہندو ہونے پر فخر کرو۔ وہاں یہ بھی کہتے تھے "سب دیوی دیوتا سوئے پڑے ہیں"۔ پچاس سال بھارت ماں کی پوجا کرو۔ اپنے دیش کے غریبوں کی سیوا کرو۔ یہ بھوکے اور ننگے لوگ بھگوان کا وراٹ سوروپ ہیں۔"

یہ پریرنا انہوں نے پرم ہنس رام کرشن سے حاصل کی۔ انہیں سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن دیش کی دشا پر آنسو بہاتے تھے۔ اور سوامی ویویکانند سے کہتے تھے کہ تم ایڈوکیٹ بننا چاہتے ہو۔ کوٹھیوں میں رہنا چاہتے ہو۔ ودیشا پر ایک نظر تو ڈالو سوامی ویویکانند پہلے برہمو سماج کے ممبر تھے۔ بابو کیشب چندر سین اور برہمو سماج نے ہندوؤں میں جاگرتی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مسلم راجیہ کے مقابلہ میں انگریزی راجیہ کو ایک برکت مانتے تھے۔ مہرشی دیانند سرسوتی نے ایسا ماننے سے انکار کیا۔ انہوں نے کہا "کوئی بدیشی راجیہ خواہ وہ کتنا ہی اچھا ہو۔ اپنے راجیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" اسی طرح پرم ہنس دیو نے کہا "زنجیروں میں جکڑی ہوئی بھارت ماتا بلیدان مانگتی ہے۔ غلامی لعنت ہے۔ آریہ بھومی داس بھومی بن کر رہ گئی ہے غلاموں کی بستی" مہاتما گاندھی ہر روز صبح دھرتی ماتا کو نمسکار کیا کرتے تھے۔ وہ ماتا پر چرن رکھتے ہوئے کشما مانگتے تھے پھر بھگوان سے پرارتھنا کرتے تھے "پربھو! ہمیں اندھیرے سے روشنی کی طرف لے چلو موت سے زندگی کی طرف لے چلو" مہاتما جی کئی برس ہر روز یہی پرارتھنا کرتے رہے۔ کسی نے اعتراض نہ کیا کہ یہ فرقہ پرستی ہے۔ کانگریس پلیٹ فارم پر بھی مہاتما جی کہتے رہے کہ میں گئو کی پوجا کرتا ہوں۔ میں ایسے سوراجیہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا جہاں گئو ہتیا ہوتی ہو۔

ہمارا دیش آزاد ہو گیا۔ اور ہر سال ہم آج کے دن اس امید کے ساتھ خوشیاں مناتے ہیں۔ کہ ہمارے دیش میں صدیوں کے بعد جو آزادی اور جمہوریت کا راج قائم ہوا ہے وہ چلتا رہے گا۔ لیکن آج دیش میں چاروں طرف انتشار ہی انتشار نظر آرہا ہے۔ بھاشا۔ فرقے اور صوبے کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اسے دیکھ کر دل کانپ اٹھتا ہے۔ روز افزوں مہنگائی۔ بے کاری اور ضروریات زندگی کی نایابی حالت کو زیادہ پیچیدہ بنا رہی ہے۔ جتنا سب کچھ برداشت کر جاتی ہے مگر بھوک اور مفلسی برداشت کرنا مشکل ہے بھرشٹاچار بڑھ رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک خوفناک انقلاب کے دہانے پر کھڑے ہوئے ہیں۔

اس لئے ہماری پکار ہے کہ جاگو۔ دیکھو۔ ہماری آزادی خطرہ میں ہے۔ اسے بچا سکتے ہو تو بچا لو۔" ماخوذ ہند سماچار جالندھر

اوم اوم اوم

ہندو ویر سے خطاب

(موہن لال جی مستانہ جنرل سیکریٹری شری سناتن دھرم کیندریہ سبھا ویسٹ زون تلاک نگر نئی دہلی)

بجرنگ کی جے منانے کے دن ہیں —— بھارت کی شان پھر بڑھانے کے دن ہیں
بے لاگ سیوک بنو ہندو ویرو —— اہنکار من سے اڑانے کے دن ہیں
اے ویر شکتی بڑھانے کے دن ہیں —— بڑھو آگے جوہر دکھانے کے دن ہیں
مٹ جاؤ لیکن رہے جوش غیرت —— رانا سی ہمت دکھانے کے دن ہیں
حقیقت نے کٹوایا سر جس کی خاطر —— اسی آن کو اب بچانے کے دن ہیں
مچائی تھی جو دھوم بندہ نے ہر سو —— وہی دھوم اب پھر مچانے کے دن ہیں
گرو جی کی قربانیاں یاد ہوں گی —— دھرم کے لئے سر کٹانے کے دن ہیں
دشمن کے چکر سبھی کاٹ ڈالو —— ابھیمنیو سا بن کے دکھانے کے دن ہیں
ویروں کی اولاد شیروں کے بچو —— شیواجی کا قصہ دہرانے کے دن ہیں
سویا پڑا گھر میں ہے شیر ہندو —— سوئے شیر کو پھر جگانے کے دن ہیں
پڑھائے جو ہم کو سبق ایکتا کا —— وہی گیت اب گنگنانے کے دن ہیں
کرو جان قربان ہندو کی خاطر —— ہندو تو خود میں جگانے کے دن ہیں
حسد بغض کینہ کو دنیا کو اے ویرو —— راہ محبت پہ آنے کے دن ہیں
بکھرے ہوئے موتیوں کو پرو لو —— چھوا چھوت دوئی مٹانے کے دن ہیں
مستانہ نے جانی اٹھالنے کی خاطر —— کہا ہے جو کر کے دکھانے کے دن ہیں

(نوٹ) ہندوؤں کے گرتے ہوئے وقار کمیونسٹوں نکسلواڑیوں کے مظالم اور عیسائیوں کے آدی واسی ہندوؤں کو عیسائی بنانے کی پرتی کو دیکھتے ہوئے صرف اپنے ہندو سماج کو پورن روپ سے شکتی شالی بنانے کے وچار سے یہ کویتا لکھی گئی ہے۔ تاکہ ہم سچے ہندو ایکتا کی لڑی میں پروئے جانے کے بعد ایک بار پھر شکتی شالی سماج کے روپ میں دنیا کے سامنے اپنی بھارت ماتا کا گورو بڑھا سکیں۔ اور وشو پریم اور وشو شانتی کا سندیش بلا لحاظ مذہب ملت ہر کسی کو دے سکیں کیونکہ "ایکو برہم دوتیو ناستی" میں اٹل وشواس رکھنے والا ہندو اگر زندہ رہا تو دنیا کی کوئی طاقت انسانیت کا گلا گھونٹ نہیں سکتی۔

اوم اوم اوم اوم

لنڈن اور امریکہ میں سناتن دھرم کا پرچار

گوڑیہ ویشنو سمپردائے کے پرسدّھ آچاریہ مہاتما شری بھکتی سدھانت جی مہاراج کے ایک ودوان شیشیہ شری بھکتی ویدانت جی سنہ ۱۹۶۵ء میں امریکہ گئے تھے۔ وہاں جاکر انہوں نے نیویارک میں کتھا آرنبھ کردی اور شام کے وقت ٹامپکن (TOMPKIN) پارک میں:-

ہرے رام ہرے رام رام رام ہرے ہرے ۔ ہرے کرشن ہرے کرشن۔ کرشن کرشن ہرے ہرے

منتر کا مدھر کیرتن کرنے لگے۔ کئی لوگوں پر پربھاو پڑا۔ اور وہ اُن کے کیرتن میں حصّہ لینے لگے۔ اور پھر تو کئی لوگ اُنکے شیشیہ بن گئے۔ انہوں نے مانس مدرا و بیبھچار کو ہمیشہ کے لئے تلانجلی دے دی۔ سر کے بال منڈوا لئے۔ چوٹی اور جنیو دھارن کرلیا۔ ایک دھوتی پہن لی۔ مالا اور تلک سے سشوبھت ہوئے۔ اور پرم ویشنو بن گئے۔ انہوں نے اپنا سمپورن جیون ہی شری کرشن سیوا کے لئے سمرپت کردیا۔ (اس پرچہ کے ٹائیٹل صفحہ ۳ پر کیرتن کرتے ہوئے انگریزوں کی فوٹو ملاحظہ ہو) وہاں کی وشو ودیالیہ کے انگریزی کے ادھیاپک شری ہاورڈ ایم ہیلیر فرماتے ہیں۔ کہ:- "میں سوئینگ (خود) پچھلے دو ورشوں میں ایل۔ ایس۔ ڈی۔ کی پچاس خوراک تھا ایک ایک درجن ہوئے PEYOTE جیسی نشیلی دوائیاں استعمال کرتا تھا۔ لیکن اب بھگوان کے نام کی شراب نے سب کچھ چھڑوا دیا ہے۔

نام تمہاری نانکا چڑھی رہے دن رات،،

سوامی جی مہاراج نے پہلے نیویارک میں ایک کیندر کی استھاپنا کی اور اُس کا نام رکھا گیا۔ "شری کرشن بھاونا پرسارک انتر اشٹریہ سنگھ" INTERNATIONAL SOCIETY FOR KRISHNA CONSCIOUSNESS

جوان لڑکے لڑکیاں آہستہ آہستہ اسطرف آکرشت ہونے لگے اور شاکھائیں کھلتی گئیں اس سمے امریکہ انگلینڈ فرانس۔ جرمنی۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ اور جاپان میں۔ کل ملاکر پچیس مندر بن چکے ہیں۔ ان مندروں میں شری رادھا کرشن شری بلرام جی۔ بھگوان جگن ناتھ جی اور شری سبھدرا جی کی مورتیاں استھاپت کرکے اُنکی شاستر ودھی انوسار پوجا ہوتی ہے۔ ہزاروں لوگوں نے شری سوامی جی مہاراج سے دیکھشا لے لی ہے۔ اور وہ شیشوں کی طرح اُنکی آگیا کا پالن کرتے ہیں۔ ان میں وکیل۔ ادھیاپک۔ سماجک کاریہ کرتا۔ ودیارتھی گویا سب طرح کے لوگ ہیں۔ یہ سب سچی لگن والے بھکت لوگ ہیں۔

ہر ایک بھگت کو دھوتی۔ عورتوں کو ساڑھی۔ بھارتیہ لباس پہننا پڑتا ہے پُرش پیلے زرد یا گیروے رنگ کے وستر

دھارن کرتے ہیں۔ سر کا منڈن کراتے ہیں۔ شکھا (چوٹی) رکھتے ہیں۔ ہندوؤں جیسے نام - رامو رداس بھگوانداس وغیرہ رکھتے ہیں۔ اور استریوں کے گوپیکا داسی - دین دیارر داسی दीन दयार्द्र दासी وغیرہ نام رکھے جاتے ہیں۔ مستک پر سبھی گوپی چندن کا تلک لگاتے ہیں۔

نیم یہ ہیں :-

پراتہ چار بجے اٹھنا۔ دن میں دو بار سنان کرنا۔ بھگوان کی نیم پوروک پوجا کرنا۔ ہرے کرشن آدی ۱۶ ناموں کی 16 مالا کا پرتی دن جپ کرنا۔ اور پراتا کال تتھا سائینگ کال کے ست سنگ میں لازمی طور پر حاضر ہونا۔ کسی بھی نشیلی چیز (یہاں تک کہ چائے کا بھی) استعمال نہ کرنا۔ سگریٹ تمباکو کا نہ پینا۔ مانس مچھلی۔ انڈے وغیرہ کا کبھی بھی استعمال نہ کرنا اور صرف دودھ سبزی ساگ وغیرہ پرم ستوگنی پدارتھوں کا بھوجن کرنا۔

No eating of meat, fish or egg.

Must be strictly vegetarian.

دواہت دامپتیہ جیون (شادی شدہ استری پُرش کا گرہست دھرم) کے علاوہ کسی اور مرد یا عورت کے ایسے سمبندھ کا تیاگ

No illicit sexual relationship.

جوا یا یا نشک ہوائی قلعے بنانے سے دور رہنا۔

No gambling or mental speculation.

ابھکتوں کے ساتھ زیادہ سمبندھ نہ رکھنا۔ یعنی کُسنگ سے بچنا۔

Should not extensively mix with non-devotees

ابھکتوں کے دوارا بنایا ہوا بھوجن نہ کرنا۔

Should not eat food cooked by non-devotees.

ویرتھ کی بات چیت میں سمے نہیں کھونا چاہیے۔

Should not waste time in idle talks.

سادھارن کھیل تماشوں میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔

Should not become engaged in frivolous sports.

نرنتر (لگاتار مسلسل) بھگوان کے پوتر ناموں کا جپ کیرتن کرتے رہنا چاہیے۔

Should always chant and sing the Lord's Holy names.

بھکت میں یہ 26 سدگن اوشیہ (ضروری) ہونے چاہئیں :-

ہر ایک کے پرتی دیالو۔ کسی سے جھگڑا نہ کرنا۔ پرم ستیہ میں پرتشٹھا۔ سب کے پرتی سمتا کا بھاو۔ نردوش - دان شیل۔ مردو (میٹھا بولنا) سوچھ اور پوتر رہنا۔ سرل یعنی کپٹ سے رہت ہونا۔ اُدار - (وشال ہردے) شانت۔ شری کرشن کے

برتی آسکت رہنا۔ سنسارک کاموں سے شونیہ۔ ڈینیت विनीत نمبر۔ آتم نگرھی۔ ہست بھوجی (ٹھوڑا کھانا) ودیک شیل۔ آنز پورن۔ دین یعنی ابھیمان سے رہت۔ گمبھیر۔ میتری پورن۔ کرونا۔ کاویہ نے۔ دکھش اور مون۔

جس سمے پونر بھگوت بھاؤ میں مگن پرشوں تتھا مہلاؤں کے ڈل ڈھیلے ڈھالے لباس اور گیروا وستر۔ تتھا استریاں ساڑھی پہنے۔ تلک لگائے۔ پرش اپنے منڈت سروں پر شکھا (چوٹی) لٹکائے۔ سبھی گلے میں تلسی کی کنٹھی پہنے۔ ہرے پربھگوان نام جپ مالا کی جھولی لٹکائے نیتروں سے پریم اشرو (آنسو) بہاتے ہوئے بازو اوپر اٹھائے ڈھولکی اور جھینوں سے کیرتن کرتے ہوئے امریکہ اور یوروپ کے ورتمان بھوگ پردھان نگروں کی سڑکوں پر مستی کی حالت میں نرت کرتے نکلتے ہیں۔ اس سمے انہیں دیکھکر وہاں کے نرناری چکت (حیران) ہوجاتے ہیں اور انکے مستک شردھا سے جھک جاتے ہیں۔ انکے ہردے بھی دروت ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بھی نام کیرتن کرنے لگتے ہیں۔ لنڈن کی ایک اخبار Times of London میں ایک لیکھ چھپا تھا۔ لکھا تھا۔ ہری کرشن کیرتن نے لنڈن کو چکت کردیا۔

Hare Krishna chant Startles London

سوامی جی گیتا اور شریمد بھاگوت کا اپدیش دیتے ہیں۔ لوگوں کی شنکاؤں کا نوارن کرتے ہیں پستکیں بھی لکھتے ہیں۔ انکی ایک پستک "شری کرشن" جاپان میں چھپ رہی ہے۔ جس کے لئے انکے ایک ہی بھکت پرسدھ انگریز شری جارج ہیری سن نے انیس ہزار (19000) پونڈ دان دیئے ہیں۔

"ایشور کی اور" نامک اخبار Back to God head انگریزی۔ جرمنی تتھا فرانس بھاشا میں شائع ہوتے ہیں۔ جن میں سداچار بھکتی تتھا اوچیہ پرمارتھک وچاروں کے لیکھ مہابھارت اور بھاگوت کی کتھائیں۔ شریمد بھگوت گیتا کے اپدیش اور دھارمک بھارتیہ چتر چھپتے ہیں۔

جن نوجوان لڑکے یا لڑکیوں کی شادی نہیں ہوئی ان کو سوامی جی مہاراج برہمچریہ دھارن کرنیکی شکھشا دیتے ہیں اور شری کرشن سیوا میں لگاتے ہیں۔ اور جو وواہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پہلے اپنے گروبھائیوں کی رائے لیتے ہیں۔ پھر سوامی جی کی آگیا پالن کرتے ہیں۔ انکا وواہ ہندو طریقہ سے اگنی دیوتا کو ساکھشی کرکے گٹھ بندھن کراکے وواہ سنسکار کرتے ہیں۔ نہ کورٹ شپ ہوتی ہے نہ رجسٹریشن۔ وواہت استریاں۔ بھارتیہ پدھتی (طریقہ) کے انوسار مستک پر کُم کُم یا سندھور کا ٹیکا لگاتی ہیں۔

اب تک پچیس 25 شری رادھا کرشن مندر بنائے جاچکے ہیں۔ ناستک لوگ آستک بنائے جارہے ہیں۔ وہ شری کرشن کے روپ میں بھگوان کو پا رہے ہیں۔ بال ڈانس یعنی عیش پرستی کی جگہ اب ہر جگہ بھگوان کا کیرتن ہوتا ہے۔ اندریوں کے غلام ہونے کی بجائے یعنی عیش پرستی کی جگہ اب برہمچریہ نے لے لی ہے۔ چاہ۔ کافی۔ تمباکو۔ وغیرہ نشیلی چیزوں کی جگہ اب نام امرت پان ہو رہا ہے۔ مانس مچھلی انڈوں کی جگہ اب پوتر ساتوک بھوجن کا آہار ہوتا ہے۔ شترو کے ستھان پر متر تا نے لے لی ہے۔ ہزاروں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ان نیموں کو گرہن کرچکے ہیں۔ ابھی تک تو وہ سچے بھاؤ سے ہی کاریہ کرتے پر تیت ہوتے ہیں۔ آگے کہیں بھی بناوٹی پن معلوم نہیں ہوتا۔ سوامی جی سے کوئی پتر وہار کرنا چاہے تو پتہ یہ ہے۔

TRIDANDI GOSWAMI SRI

A.C. BHAKTIVEDANTA SWAMI
INTERNATIONAL SOCIETY FOR SRI KRISHNA CONSCIOUSNESS,
CENTER 1975 SO. HACIENGA BLVD.
LOSANGELES, CALIFORN.A

ہرے کرشن ہرے کرشن کرشن کرشن ہرے ہرے ❋ ہرے رام ہرے رام رام رام ہرے ہرے

(ماخوذ کلیان ہندی اپریل ۱۹۷۰ء)

نوٹ :- کاش ! کہ ہندوستان میں بھی ہندو دھرم کا نئے سرے سے پرچار ہو۔ یہاں کے تمام دھارمک نیتا۔ مہاتما۔ سادھو اور سنیاسی بھی اپنے شِشیوں کو چوٹی اور جنیؤ دھارن کرنے پر مجبور کریں۔ کیونکہ چوٹی اور جنیؤ کو اُتار پھینکنا۔ اپنے دھرم سے صریحاً بغاوت اور لاپرواہی ہے۔ یہ سب انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب کا ہی اثر ہے۔ کہاوت ہے کہ اورنگزیب ہندوؤں کے 1¼ من جنیؤ روزانہ اُتار کر روٹی کھاتا تھا۔ لیکن اس کو کیا معلوم تھا کہ انگریزی کُٹل نیتی سے ہندو خود بخود ہی اپنے دھرم کے یہ ضروری چنہہ (نشان) اُتار دیں گے۔ یاد رہے کہ چوٹی اور جنیؤ کے بغیر کوئی بھی دھرم کارج (خصوصاً گائتری منتر) سِدھ نہیں ہو سکتا۔ آج ضرورت ہے کہ دیش اور جاتی کا سنکٹ دُور کرنے کے لئے فرداً فرداً سب ہندو روزانہ 5 یا 10 مالا گائتری کا جاپ کریں۔ اور پرارتھنا کریں کہ ہمارے نیتاؤں کی بدھی دھرم مارگ پر لگے تاکہ سارے دیش میں بنگال جیسی تباہی نہ ہونے پاوے :-"

معزز خریداران اوم کی سیوا میں نمر نویدن :- اگر آپ کو رسالہ "اوم" پسند ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ فی زمانہ دھرم پرچار کے لئے اس کا قائم رہنا ضروری ہے۔ تو آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے متروں۔ سمبندھیوں و لواحقین کو اس کا خریدار بنا کر ہماری حوصلہ افزائی کریں۔ کاغذ کا نرخ مزید بڑھ گیا ہے۔ ڈاک کے خرچ میں اضافہ ہو چکا ہے۔ انگریزوں کے عہد حکومت میں جہاں 2½ آنے رجسٹری خرچ ہوتا تھا وہاں اس جنتا کے راجیہ میں پچانوے (95) پیسے رجسٹری خرچ اور 1¼ روپیہ وی۔ پی خرچ ہو چکا ہے۔ جو کہ خصوصاً ماہوار رسالوں پر ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ باوجود سب اخراجات بڑھ جانے کے ہم نے رسالہ اوم کی ضخامت میں اضافہ کر دیا ہے۔ پہلے یہ 48 صفحات یعنی چھ کاپیوں پر مشتمل ہوتا تھا لیکن آجکل سات یا آٹھ کاپیوں یعنی 56 یا 64 صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہمارے کئی ہتیشی سجنوں نے ہمیں رائے دی ہے کہ رسالہ کے صفحات میں کمی کر دی جاوے۔ لیکن ہمیں یہ پسند نہیں۔ کیونکہ اس طرح کئی ضروری مضمون شائع ہونے سے رہ جائینگے اور بے لطفی ہوگی۔ گورنمنٹ اور دیگر تجارتی اشتہارات بھی ہمیں نفی کے برابر ہی ملتے ہیں۔ اس لئے اشتہارات کی آمدنی جو کہ اخبارات اور رسالہ جات کے لئے اہم اور ضروری تصور کی جاتی ہے۔ اس سے ہم محروم ہیں گویا سوائے سالانہ چندہ کے ہماری آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اوم کے ہتیشی سجن نئے خریدار بنانے کی کوشش کریں۔

(ایڈیٹر)

اپنے حلقۂ واقفیت میں دو دو نئے خریدار بنانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ کسی کو اچھے مارگ پر لگانا سب سے بڑا اپنیہ کاریہ ہے۔ اس وقت دھرم پرچار کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ ناستک واد اس پوتر بھارت بھومی پر اژدھا کی طرح منہ پھیلائے تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اور ہمارا نوجوان طبقہ اس کو خوش آمدید کہکر خود ہی بلا رہا ہے۔ ناستک واد کے پھیلنے سے جہاں دیش کی آزادی کو زبردست خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہاں ہندو مسلمان عیسائی سکھ۔ گویا سب دھرموں کے نیست و نابود ہو جانے کی بھی سمبھاونا ہے۔

اس لئے دھرم اور انسانیت کو بچانے کے لئے ہر دھرم پریمی کو اپنا تن۔ من۔ دھن دیش سیوا میں لگا دینا چاہیے۔ تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ (ایڈیٹر)

بھارت کی طرف اُمڈ رہی ماؤ کی سُرخ آندھی کے پیش نظر
سادھو مہاتما بیدار ہوں

بھارت دھرم سمیلن میں شری برجیش کا بھاشن

گذشتہ ہفتہ دریسی کے میدان لدھیانہ میں ہو رہے بھارت دھرم سمیلن میں بھاشن دیتے ہوئے آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے صدر شری برج نارائن برجیش نے بھارت کے سبھی سادھو سنیاسی اور پرسدھ مہاتماؤں کو چیتاونی دی کہ اگر اب وہ نہ جاگے تو بھارت میں ماؤ سی تنگ کی لال اندھیری جو انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آرہی ہے۔ اسکی لپیٹ میں شدت کے ساتھ آجائینگے۔ اور پھر سادھوؤں کا بھی یہاں وہی حال ہوگا جو تبت میں چین نے بدھ لاماؤں کا کیا ہے۔

شری برجیش نے مزید کہا کہ اس حالت میں ان سادھوؤں اور سنیاسیوں کو چینی درندے کولہو اور ٹانگوں میں جوت دینگے۔ کیونکہ راکھشش منڈلی بھارت کی طرف آنکھیں بند کر کے بھاگی آرہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج بھارت میں آر تھک کے نام پر لڑائی جاری ہے۔ اور اس کے نام پر ہندو ہندو کا گلا کاٹیں گے۔ انہوں نے الٹی میٹم دیا کہ کسی غیر طاقت کو اس دیش کا سوامی یا مالک بننے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ آج کی دیش کی مانگ یہ ہے کہ ملک میں راون راج ہٹا جائے۔ لیکن اس سے پہلے رام پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور رام بھی پیدا ہوگا جب بھارت کا ہندو ایک اسٹیج پر اکٹھا ہوگا۔ اور بھارت ہر دشمن سے لوہا لینے کے اہل بن جائے گا۔"

رسالہ اوم ہر انگریزی ماہ کی ۲۹-۳۰ تاریخ کو نہایت باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے۔ اس لئے پرچہ نہ ملنے کی اطلاع ہمیں دس تاریخ کے اندر دینے کی کرپا کیا کریں۔ تاکہ تعمیل ہو سکے۔ اگر پرچہ بار بار گم ہوتا ہو۔ تو اپنے پوسٹمین کی شکایت کریں۔ "مینیجر"

مشرقی ترکستان میں ۱۲ بارہ لاکھ مسلمانوں کا قتل

جناب عیسےٰ یوسف کی زبانی (ڈیلی سیوک ڈیرہ دون 16/10/70)

"اسلام خلاف قانون مذہب قرار دے دیا گیا۔ مسجدوں میں قحبہ خانے کھول دیئے گئے۔"

مشرقی ترکستان کو آزاد کرانے کے لئے قائم کئے گئے مرکز کے صدر جناب عیسیٰ یوسف التکین نے جو مشرقی ترکستان کی حکومت کے سابق سکریٹری جنرل بھی ہیں اور جو مختصر دورے پر سری نگر (کشمیر) آئے ہوئے ہیں۔ بتایا کہ پیکین سرکار نے ترکستان (جو چین کے صوبہ سیکیانگ کا حصہ ہے) کے اصل ترک باشندوں کی مکمل نسل کشی کی پالیسی پر عمل شروع کر رکھا ہے۔ آپ نے یہاں اپنی پریس کانفرنس میں بتایا کہ مشرقی ترکستان کے اصلی باشندے چینیوں سے بالکل الگ قوم ہیں اور آزادی چاہتے ہیں اور معاملہ اتحادی سبھا میں لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسٹر التکین نے مزید کہا کہ مشرقی ترکستان کے لوگوں کی انتھک کوشش نے جو اکثر مسلح مزاحمت اور جگہ جگہ سورش کی شکل اختیار کر جاتی ہیں ثابت کر دیا ہے کہ وہ آزادی اور صرف آزادی چاہتے ہیں۔

پیکن کی جبر و تشدد کی مثالیں دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ لاکھوں ضلع باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتارا جا چکا ہے اور گزشتہ بیس برسوں میں اُنکی زمین جائدادوں پر جبراً قبضہ کیا جا چکا ہے۔ چین نے ہمارے ملک کو "بیگار اور غلامی کا وسیع کیمپ" بنا کر رکھ دیا ہے اور ایک درد بھرے لہجہ میں مشرقی ترکستان کے اس لیڈر نے بتایا کہ سیکیانگ میں مذہب اسلام کو خلاف قانون قرار دیا جا چکا ہے۔ مسجدوں اور مدرسوں کو مسمار کر دیا گیا ہے یا قحبہ خانوں میں بدل دیا گیا ہے۔ مسلمان لڑکیوں سے چینی مردوں کی جبراً شادیاں کی جاتی ہیں! اور آٹھ سے دس سال تک کی مسلمان لڑکیوں کو ان کے والدین سے چھین کر انہیں چین کے اندرونی علاقوں میں بھیجدیا جاتا ہے۔ اُدھر چینی آباد کاروں کو بہت بڑی تعداد میں مشرقی پاکستان میں بھیجا جا رہا ہے۔ پچھلے بیس برسوں میں اُن چینی آباد کاروں کی تعداد چالیس لاکھ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ مسٹر التکین نے آزاد قوموں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ ہماری جیسی غیر چینی قوموں کی آزادی کا حق تسلیم کریں۔ ان قوموں میں تبتی۔ منگول۔ مانچو اور دیگر لوگ شامل ہیں۔ چینی امپیریلزم مشرقی ترکستان کو اپنا علاقہ کہتا ہے۔ جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔ یہ علاقہ کبھی بھی چینی نہیں رہا۔ اور کر اسے چین کا اندرونی مسئلہ قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ تو خالص بین الاقوامی معاملہ ہے۔ آپنے کہا کہ بھارت اور پاکستان دونوں کو چین کے ناپاک ارادوں سے خبردار رہنا چاہئے آپنے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ پاکستان جو اسلامی ملک ہونے کا دعوٰی کرتا ہے چین کا ساتھ دے رہا ہے آپنے انکشاف کیا کہ انڈونیشیا اور ملائشیا مسٹر التکین نے یہ بھی انکشاف کیا کہ مشرقی ترکستان میں بارہ لاکھ مسلمانوں کو امریکہ اور روس کے جاسوس کہہ کر گرفتار کیا جا چکا ہے۔ اور ان میں سے تین لاکھ ساٹھ ہزار لڑکیوں کو غدار کا بہتان لگا کر موت کے گھاٹ اُتارا جا چکا ہے۔"

اوم

گھور کلجگ

(اخبار پرتاپ مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۷۰ء)

ویریندر نگر نئی دہلی (نزد تلک نگر) کی ایک 65 سالہ بوڑھی بڑھوا عورت رادھا دیوی کو اسکے اکلوتے بیٹے کرشن لال نے (عمر 35 سال) اور اس کی بہو نے آگ میں جھلس دیا۔ بوڑھی نے زمین کا ایک پلاٹ فروخت کیا تھا۔ جسکی رقم کرشن لال مانگتا تھا۔ اُس کے انکار کرنے پر رات کو سوتے ہوئے۔ بوڑھی ماتا کو آگ لگادی اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ دو دن اس کی لاش گلتی سڑتی رہی ہمسایوں کو شک ہوا۔ اور انہوں نے پولیس میں رپورٹ کردی۔ پولیس والوں نے بوڑھی کی لاش کو قبضہ میں کرلیا۔ اور کرشن لال کو حراست میں لے لیا۔

کتنا گھور کلجگ آگیا ہے۔ کہ پیسے کی خاطر لوگ اپنے برِدھ ماتا پتا کو بھی قتل کرتے میں ذرا تامل نہیں کرتے ہمارے مغرب زدہ حکمرانوں نے دھارمک تعلیم کی جگہ سینما اور ریڈیو کے ذریعہ عیش و عشرت اور مغربی تہذیب سکھائی ہے۔ جس سے اس پوتر دیش میں اس طرح کے بھیانک راکھشی کرم ہو رہے ہیں۔ ہمارا آدرش تیاگ اور سیوا تھا۔ لیکن اب سوارتھ اور جائز ناجائز طریقہ سے پیسہ کمانا ہی بن چکا ہے۔ لوگ دھرم کرم کو تلانجلی دے چکے ہیں۔ اور عیش و عشرت میں پڑ کر اپنا جیون برباد کر رہے ہیں۔ گئو ہتیا زوروں پر ہے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا اغوا کیا جا رہا ہے۔ تھوڑے سے دھن کے لئے دوسرے کا گلا کاٹنا ایک معمولی سی بات بن گئی ہے۔ کبھی اس دیش میں چھوٹی سے چھوٹی جیونٹی کو مارنا بھی پاپ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آجکل انسانوں کو مارنا کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ پاپ دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ پرمارتھ کی جگہ سوارتھ نے لے لی ہے۔ لڑکے بگڑے لڑکیاں بگڑیں اور انسانیت ہی ختم ہوگئی۔ پاپ کا بیڑا ڈوبنے والا ہے۔ اس لئے دھارمک لوگوں کا فرض ہے۔ کہ اپنے دیش جاتی دھرم کو بچانے کے لئے گائتری منتر دوارہ بھگوان سے پرارتھنا کریں کہ وہ ہم سب کی بدھی کو دراچاروں سے چھڑا کر سدآچاروں میں استھت کرے۔

گلو آیو رے۔ کلو آیو رے۔ نام لیوو نام لیوو (نانک)

گائیتری انوشٹھان

رسالہ اوم کی طرف سے ہم نے ایک کرم کانڈی ودوان پنڈت سے سوا لاکھ گائتری منتر کے انوشٹھان کرانے کا سنکلپ کیا ہے۔ اگر اس شبھ کاریہ میں کوئی دھارمک سجن سمِلت ہونا چاہے تو ہمیں مطلع کرے یہ انوشٹھان دیش دھرم اور جاتی کو پاپ کرموں سے بچانے کیلئے پرارتھنا روپ میں کیا جا رہا ہے۔ پرارتھنا میں بڑی شکتی ہے

ایسا ہمارا نشچے ہے۔ ملنبر

اوم اوم اوم

بھگوان سے پرارتھنا

عجب ہے کچھ مری حالت کا اظہار سراسر ہوں ادھم پاپی گنہگار
نہ لائق التماس و التجا کے نہ قابل اپنی عرضِ مدعا کے
ندامت نامۂ اعمال سے ہے خجالت آپ اپنے حال سے ہے
نکمّا ہوں۔ نکمّی زندگی ہے مری ہستی کو خود شرمندگی ہے
نہ عقبیٰ کا نہ دنیا کا نہ دیں کا عجب کچھ ہوں نہیں لیکن کہیں کا
اسیرِ بندِ دنیا ہوں سراسر گرفتارِ قفس بے بال و بے پر
وہ ننگِ اختلاطِ آب و گل ہوں کہ ربطِ جسم و جاں سے منفعل ہوں
وہ آوارہ وطن جس نے نہ دیکھا وہ بلبل ہوں چمن جس نے نہ دیکھا
الگ ہوں دور ہوں سب سے جدا ہوں عجب بے کس ہوں بے برگ و نوا ہوں
نہ کوئی چھوڑ جانے کی نشانی! نہ کوئی یادگارِ زندگانی!
ہزاروں ہے گناہوں کی گواہی سفیدی پر ہے کیا کیا رو سیاہی
نہ ذکرِ حق ہے نہ فکرِ عمل ہے نہ کرم و دھرم ہے ودیا نہ بل ہے
نہ جوگی ہوں نہ سنیاسی جتی ہوں نہ رندِ بادہ کش نہ متّقی ہوں
نہ زاہد ہوں نہ ہوں مستِ خرابات نہ عابد ہوں نہ ہوں اہلِ کرامات
نہ سادھو ہوں نہ ویراگی نہ ابدھوت نہ لاہوتی نہ جبروتی نہ ملکوت
مری غفلت کی حد کچھ بھی نہیں ہے خیالِ نیک و بد کچھ بھی نہیں ہے۔
نہیں چھونے کے قابل جسم ناپاک ملے گی کس طرح سے خاک میں خاک

غرض جو کچھ ہوں سب تجھ کو خبر ہے
مرا انجام کیا مدِّ نظر ہے؟

ہمیشہ ہے گنہگاروں پہ رحمت ہمیشہ ہے تیری بخشش کی عادت
کیا دشمن کا بھی اُدّھار تو نے اُتارا ڈوبتوں کو پار تو نے
دیا لو دین بندھو کے سہارے تھکا بیٹھا ہوں منزل کے کنارے

نہیں اک وقت کا توشہ بغل میں
جھکا پڑتا ہے سر فکرِ عمل میں

کٹھن رستہ ہے اور منزل کڑی ہے
جو گٹھڑی سر پہ ہے بوجھل بڑی ہے

نہ پستی و بلندی کا ٹھکانہ
ہزاروں قافلے گو ہیں روانہ

نہ رہبر کوئی راہ پُر خطر ہیں
اندھیرا ہوگا ہر جانب نظر میں

بُرا ہے وقت وہ جس کا کہ ڈر ہے
سماں یہ ہے کہ جو پیشِ نظر ہے

دمِ آخر رواں آنکھوں میں ہوگا
کسی دن یہ سماں آنکھوں میں ہوگا

بدلتی ہوں محبت کی نگاہیں
ہر اک جانب ہوں حسرت کی نگاہیں

دمِ رخصت ہو گھر والوں نے گھیرا
کھڑا ہو سب لدا اسباب میرا

ہجومِ اہلِ ماتم ہو سرہانے
عزیز و اقربا خویش و بیگانے

ہر اک کی ہو نگاہ حسرت آلود
کھڑی ہو بیکسی بالیں پہ موجود

عجب مایوس ہو ناکام دنیا
نیاں ہو ہم اسیرِ دامِ دنیا

کسی کو اک دو دم کی انتظاری
کسی کے دل میں ہو فکرِ سواری

میرے ہر کام باہم بٹ رہے ہوں
اٹھانے والے بھائی چھٹ رہے ہوں

غرض سامانِ رخصت جب ہو تیار
پڑے جان اور اجل میں آ کے تکرار

اُسے تعجیل ہو حکمِ قضا کی
اسے ہو ڈھیل عرضِ مدعا کی

وہ بپھری ہو کہ آ گئے گھر کے نکلوں
یہ مچلی ہو کہ درشن کر کے نکلوں

بڑا جھگڑا ہو کچھ آپس میں بھاری
وہ کب بس اک تمہاری انتظاری

نظر آ جائے چھب بانکی ادا کی
مندیں آنکھیں تو ہو جھانکی ادا کی

تصور رشتۂ جاں میں جکڑ لوں
چھٹے تب نبض جب دامن پکڑ لوں

جب آئے آنکھوں میں دم پران پیارے
لگا ہو دھیان چرنوں میں تمہارے

وہی ہو دھیان جس کو میں دکھاؤں
وہی جھانکی ہو جس کو میں بتاؤں

(مسلسل)

اوم

قسط 6

ایشاواسیہ اپنشد

(مترجم شری جسونت رام جی)

کوئی بھی سفر اختیار کرنے سے پہلے چند باتوں کا جاننا لازمی ہے۔ ورنہ سفر باعث پریشانی ہوگا۔

1۔ جانے والا کون : اپنا گیان

2۔ کہاں جانا ہے : اپنی منزل برہم کا گیان

3۔ راستہ کیسا ہے : جیسا جس کے دھرم میں لکھا ہے۔

4۔ وسائل کیا ہیں : اپنی ہمت مستقل مزاجی۔ حوصلہ۔ قوت عمل اپنا یقین۔ وشواس بنئے رہنا اور بھاونا وسائل ہیں۔

5۔ ساتھی کون ہیں : وہ جن کے ساتھ تم رہ رہے ہو۔ یا نباہ کر رہے ہو۔ وہ سب تمہاری ہی طرح منزل کی طرف جانے والے ہیں۔ وہ سب ساتھی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُن کے وسائل یعنی حوصلہ یقین مستقل مزاجی۔ اور قوت عمل وغیرہ کم ہیں یا زیادہ۔

6۔ رہنما کون ہے : گرو دیو۔ جو تمہیں راستہ دکھا رہا ہے۔ اُس کا اپنا حال کیسا ہے۔ کیا وہ ایک کامل ہے جو راستہ دکھا سکیگا۔ یا بے سمجھ ساتھی کی طرح خود بھی ڈوبے گا اور کشتی میں ساتھ جانے والی سواریوں کو بھی منجدھار میں ڈبانے کا کارن بنے گا۔

جب تک کسے اتنا ہی معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے۔ اور اُس کی ضرورت کیا ہے جس کو پورا کرنے کیلئے کوشاں ہو وہ کر ہی کیا سکتا ہے۔ اور اگر کچھ کرے گا بھی تو بے سمجھے بوجھے ٹکریں مارنے پر بھی پا ئیگا کیا۔ یہی آتما کا گیان ہی تو اپنا گیان ہے۔ ہم اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس لئے راحت و تسکین سے دور ہیں۔ آتما کا گیان پڑھ یا سن لینے سے نہیں آتا۔ اسے جیون میں لانا پڑتا ہے۔ پڑھ لینا ایک بھوری ہے۔ بھوری کا جان لینا بُرا نہیں۔ لیکن فائدہ تب حاصل ہوتا ہے۔ جب یہ عمل میں لائی جاتی ہے۔ اور اگر عمل میں نہ لائی جائے تو کچھ سمے کے بعد بھول جاتی ہے۔

اس طرح سے جہاں جانا ہے وہاں کا پتہ ہی معلوم نہ ہو۔ اُس مقام کے متعلق کچھ واقفیت ہی نہ ہو۔ تو پہنچنا نا ممکن ہے اسی طرح سے راستہ کی ناواقفی سے بھٹکنا اور پریشانی اٹھانا لازمی ہے۔ ہماری منزل برہم ہے۔ اسے اپنے اپنے مذہب یا رواج کے مطابق کوئی بھی نام دے دیں فرق نہیں پڑتا۔ اس کے متعلق پتہ دینے والے وید۔ شاستر۔ اپنشد یا اپنے اپنے مذہب کے مقدس گرنتھ ہیں۔ انہیں سمجھنا اور ان پر چلنا ایسے کہ زندگی کو اُن کے مطابق ڈھال لینا۔ یہ ہیں راستے۔ جس نے پا لئے اور ان پر چلے اُن کی زندگی بن گئی اور جو کورے رہے وہ کورے ہی رہ گئے۔

یہ تو تھا راستہ اب یہ ہے وسائل کیا ہیں۔ اگر یہ معلوم نہیں تو ان کے بغیر کچھ کرنا ہی ممکن نہیں۔ آپ جاننا چاہتے ہیں امرکیہ لیکن

جیب میں ایک کوڑی بھی نہیں۔ چلنے کی ہمت نہیں۔ ایسا بھی کوئی نہیں جو آپ کو اُدھار دے اور آپ پھر اُسے واپس کر دیں۔ ایسا کوئی ساتھی نہیں جو ساتھ لے جائے۔ ایسا بھی کوئی وسیلہ نہیں کہ آپ کسی ایسے جہاز میں جو وہاں جا رہا ہو نوکری کر لیں۔ اور پھر وہاں پہنچ جائیں۔ یا پھر محنت مزدوری سے اتنا ہی بچا سکیں کہ کبھی نہ کبھی دن امریکہ جا سکیں تو کہئے کبھی آپ امریکہ پہنچ سکتے ہیں۔ خیالی پلاؤ بیٹھک پکاتے ہیں۔ مگر خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ مُراد کبھی بر نہیں آئیگی یہی وسائل ہیں آپ کی ہمت حوصلہ مستقل مزاجی اور مضبوط قوت عمل۔ آپ کا یقین اور وشواس بشردھا اور لگاؤ یہ آپ کے اور آپکے ساتھیوں کے وسیلے ہیں جنکے ساتھ دینے سے آپ پہاڑوں میں شگاف کر سکتے ہیں۔ دُنیا کو ہلا سکتے ہیں۔ جو کچھ چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اور انکے بغیر اگر آپ کا یقین ڈھل ہے۔ مزاج چڑچڑا ہے۔ قوت عمل آلس کی دست نگر ہے۔ بے بسیوں اور مجبوریوں نے آپ کو بے حوصلہ کر دیا ہے۔ تو وصال برہم کی دائمی تسکین تو دُور رہی آپ اس دُنیا کی عارضی خوشیوں سے بھی محروم رہینگے۔ یونہی آپکی راہوں کے ساتھی اچھے یا بُرے اور آپ کے رہنما آپ کے سفر میں آپکے آرام یا تکلیف کا باعث ہو سکتے ہیں۔ آپ نے چُننا ہے! اور بہت ہی سوچ وچار سے چُننا ہے۔ تاکہ بعد میں پریشانی نہ ہو لہذا اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے سے پہلے۔ برہم کی تلاش میں چلنے سے پہلے چار باتوں کی طرف خاص توجہ دینی چاہئے

۱۔ سیکھنا۔ وچار کرنا اور فیصلہ کرنا۔

۲۔ پُورے یقین مصمّم ارادہ اور مستقل مزاجی سے عمل کرنا۔

3۔ اپنے اعمال کے نتائج پر غور کرنا اور آگے کا فیصلہ کرنا۔

4۔ منزل کی طرف بڑھ جانا۔

ان چار باتوں کی اہمیت اور لازمیت کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے رشیوں نے ہماری اوسط زندگی کے سو سالوں کو 25-25 سالوں کے چار حصّوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصّے کو اپنی ضرورت کیلئے وقف کر دیا۔ اسمیں شک نہیں منوسمرتی میں دیش کے اولین قانون دان نے زندگی کے چار حصّوں میں بان پرستھ اور سنیاس میں کرموں کے تیاگ کو لازمی قرار دیا ہے۔ لیکن ہم گیتا اور اپنشد کی تعلیم میں اس نقطۂ نظر سے وشواس رکھتے ہیں۔ کہ کرم یوگ اور کرم سنیاس ایک ہی چیز ہیں فرق صرف اتنا ہے۔ کہ کرم یوگی سب کچھ کرتے ہوئے لیکن اس سے کچھ بھی تمنّا نہ رکھتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔ اور سنیاسی کچھ بھی نہ کرتے ہوئے اپنی سادھنا سے سب کچھ کر رہا ہوتا ہے۔ دونوں ہی برہم کی اُپاسنا کا کرم کر رہے ہیں۔ ہم ایسی ہی کرم کی ضرورت پر وشواس رکھتے ہوئے جیون کے چار حصّوں پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ یہ حصّے ہیں:۔

۱۔ اول ۲۵ برس برہمچریہ آشرم۔ جس میں آدمی حصول تعلیم و تربیت میں رہنما کے قدموں میں بیٹھ کر سیکھتا ہے کہ وہ انسان ہے۔ اشرف المخلوق ہے۔ اور اسی ناطے اس پر کئی ایک ذمہ داریاں ہیں۔ ذمہ داریاں نبھانے سے ہی آدمی ذمہ وار گنا جاتا ہے۔ اُس نے آئندہ زندگی میں وہ ذمہ داریاں پُوری کرنی ہیں۔ اپنا فرض پوری طرح سرانجام دینے سے ہی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ خوشی کا حاصل کرنا منزل کی طرف ایک قدم آگے بڑھانے کے مترادف ہے اُسے سیکھنا ہے اور فیصلہ کرنا ہے کہ وہ آگے کیا کریگا۔

یا ۸ برس کی عمر سے لیکر جبکہ اُسے کچھ سمجھنے کی لیاقت شروع ہوتی ہے۔ اُسے اُستاد کے قدموں میں کچھ سیکھنے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں مجرد یعنی برہمچاری رہ کر جس نے اپنی خدمت اور محبت سے اُستاد کے دل کو مسخر کر لیا۔ اپنی پڑھائی میں دل لگایا اُس نے سب کچھ پایا۔ بلند منزلوں پر پہنچنے کے لئے آدمی کی یہ پہلی اُڑان ہے۔ جس میں اگر وہ کامیاب ہو گیا۔ تو وہ نہ صرف انسان ہی بنا بلکہ ایک دیوتا بنا۔ جس نے نہ صرف اپنے آپ کو اُٹھایا بلکہ آنے والے دنوں میں دوسروں کو بھی اُٹھانے کے قابل بنا۔ لیکن جہاں یہ زمانہ محض کھیل کود میں یا ناسمجھی کی رنگ رلیوں میں گذر گیا۔ وہاں انسان اور انسان سے دیوتا بننا تو کجا۔ وہ اُلٹا گرا اور یا تو شیطان بن گیا اپنے گرد و نواح اور صحبت بد کے اثر سے یا پھر حیوان جیسے کچھ کرنے یا سمجھنے کی تمیز ہی نہ مل سکی۔ جو کولہو کے بیل کی طرح چل رہا ہے۔ کھا رہا ہے۔ پی رہا ہے۔ اور زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ اپنی نسل کی تخلیق کرتے ہوئے جو اُسی کی طرح شاید حیوان کی حیوان ہی رہیگی۔

۲۔ دُوسرے پچیس برس گرہستھ آشرم۔ برہمچریہ کی پہلی منزل کے بعد ۲۵ سال کی دوسری منزل کا نام ہے گرہستھ جہاں آدمی نے حصول تعلیم کے بعد قدم رکھنا ہے۔ اس منزل میں داخل ہو کر۔ شادی کر کے ازدواجی زندگی سے منسلک ہو کر قدرت کے مقرر کردہ نظام میں عمل تخلیق میں حصّہ لیتے ہوئے اپنے اندر سمائے ہوئے علم و ہنر اور پیار و محبت کے خزانوں کو استعمال کرتے ہوئے۔ بانٹتے ہوئے ایک نئی فرض۔ کرم یا عمل کی دُنیا میں آتا ہے۔ جہاں جیون کے ترازو کے ایک پلڑے میں تو اُس کیلئے عیش و عشرت اور آنند کے سامان میسّر ہیں اور دُوسرے پلڑے میں۔ رنج و غم اور مصیبت کے باٹ رکھے ہیں۔ پہلی منزل میں حاصل کی گئی لیاقت اور قابلیت کے مطابق کچھ تو اپنی خوشحالی کے سامان اُٹھا کر آپ بھی موج کرتے ہیں اپنے ساتھیوں کی خوشحالی کا بھی سامان بنتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کو حقیقت سے شناسائی نہیں ہوتی اُنکی قسمت میں ہر روز بننے کے باٹ ہی رہ جاتے ہیں۔ وہ شام تک روپیے یا باٹ ہی بٹورتا رہتا ہے۔ سامان کھانے والے لے جاتے ہیں کولہو کا بیل چل رہا ہے۔ اُسے اسی میں خوشی ہے۔

گرہستھ آشرم۔ کرم کی منزل ہے۔ جہاں انسان کی انسانیت کا امتحان ہو رہا ہے۔ جہاں اُسے بے انتہا حقوق دیئے گئے ہیں۔ لیکن ہر حق کے ساتھ ایک فرض بھی وابستہ کر رکھا ہے۔ جو فرض کو سرانجام دیتے ہوئے اپنے حق کا استعمال کرتا ہے وہ موج کرتا ہے مگر جو فرض کو انجام نہیں دیتا مگر حق لئے جاتا ہے۔ وہ ایک چور کی طرح ہے۔ جو روز چوری کرتا ہے یا امانت میں خیانت کرتا ہے مگر ایک دن پکڑا ہی لیا جاتا ہے۔ اور اپنے اعمال کی سزا بھگتتا ہے۔

فرض کرم کا دوسرا نام ہے۔ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس کے بغیر وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن قسمت یا بد قسمتی منحصر ہے اسکے طرز عمل پر مجھے حق ہے سڑک پر بے روک ٹوک چلنے کا۔ اُسے استعمال کرنے کا۔ مگر ساتھ میں ایک فرض بھی ہے۔ کہ میری طرح ہر دیگر راہ گذر کو بھی اسی طرح سڑک کے استعمال کا حق ہے۔ اور مجھے سڑک کو صرف اپنے لئے روک کر کھڑا نہیں ہو جانا۔ کہ کوئی دوسرا گذر ہی نہ سکے۔ ورنہ کیا ہوگا۔ یا تو کوئی سرپھرا وہاں ہی سر پھوڑ دیگا۔ یا نظام وقت کے علمبردار زبردستی پکڑ کر لے جائینگے اور ضبط کے شکنجے میں کس کر باندھ دیں گے۔ جہاں اپنی نالائقی پر رونے کے سوا اور چارہ ہی کیا ہوگا۔

عالم طفلی میں میرے پاس کیا تھا۔ کچھ بھی تو اپنا نہ تھا۔ کچھ کما نہ سکتا تھا۔ نہ کمانے کی لیاقت تھی مگر پھر بھی کوئی اپنا بنا کر سب کچھ کھلاتے پلاتے۔ اور بڑا کرتے رہے۔ کیوں؟ انہیں بھی ایک آس تھی۔ ہمارے جگر کا ٹکڑا۔ ہمارے خون سے نشو و نما پایا ہوا۔ ایک دن کچھ قابل ہو جائے گا۔ تو جب ہم شاید خود کسی کام کے نہ رہینگے تو ہمارے بھی کام آئیگا۔ بڑھاپے کی لاٹھی، بڑھاپے کا سہارا۔

پر عالم شباب کے نشے میں میں انہی والدین۔ بزرگوں۔ بڑوں کو جن کی گود میں پلا۔ بڑا ہوا۔ انہیں بھار سمجھتے ہوئے دھتکار دیتا ہوں۔ خود کھاتا ہوں۔ انہیں بھوکا مارتا ہوں۔ انہیں کپڑا نہیں دیتا۔ خود اچھا پہنتا ہوں۔ تو کیا ہوگا۔ کیا وہ بھوکے رہینگے یا ننگے رہینگے۔ کیا وہ یونہی مرینگے نہیں۔ وہ پھر بھی جئیں گے۔ قدرت کا زبردست ہاتھ جو کسی حقیر سے حقیر ہستی کا پیٹ بھرنے سے بھی کبھی نہیں چوکتا۔ وہ انہیں بھی خالی نہیں رکھے گا۔ پیٹ کی آگ تو گلی کے لاوارث کتے بھی بجھا لیتے ہیں۔ انسان تو بہت بڑا ہے۔ اور میں۔

تو کیا میں امید رکھوں گا کہ آنے والی نسل میرے ساتھ ایسا ہی سلوک نہ کریگی؟ یقیناً کریگی۔ ہو سکتا ہے کہ صحبت یا اچھے سنسکاروں سے بنی ہوئی اولاد میں کوئی تیاگ آتما برائی نہ کرے۔ مگر نظام قدرت تو اپنے انصاف سے نہیں چوکتا۔ وہ اسے کھینچ کر کسی اور جگہ ٹپک دیگا۔ کانٹے بو کر آم حاصل کرنے کی امید کم عقلی ہے۔ محبت سے محبت اور نفرت سے نفرت ملی ہے۔ ملتی ہے اور ملتی رہیگی۔ پانی نعمت ہو کر بھی اسکی خاصیت اس دھرتی پہ منحصر ہے جہاں وہ بہتا ہے۔ انسان کی انسانیت بھی اس کے صحبت اور اعمال پر منحصر ہے۔

اپنے لئے حیوان جیتے ہیں۔ مگر وہ بھی دوسروں کیلئے کچھ کر ہی گزرتے ہیں۔ قدرت کی کوئی بھی مخلوق کچھ نہ کچھ کئے بغیر نہیں رہتی۔ ہر ایک کا اپنا اپنا رہن سہن ہے۔ اپنا اپنا کھان پان ہے۔ اپنا عمل ہے۔ کچھ ہم جانتے ہیں۔ کچھ جانتے بھی نہیں۔ مگر عمل ہو رہا ہے۔ ایک موذی کو کچلنے کے لئے دوسرا موذی اٹھ رہا ہے! ورنہ بدلہ چکا رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو عالم میں شیطانیت پھیل جائے اور گذارہ ہی مشکل ہو جائے۔ تو پھر......

میں انسان ہوں۔ اور میری تعریف ہے انسانیت۔ اسے کہتے ہیں جو کسی کو تڑپتے نہیں دیکھ سکتی۔ دیکھتی ہے تو تڑپ اٹھتی ہے۔ گرمی یا سردی میں باہر پڑے ہوئے کسی کو دھوپ یا ٹھنڈ سے کراہتے نہیں دیکھ سکتی۔ دیکھتی ہے تو خود کراہ اٹھتی ہے۔ اسے کسی محفوظ جگہ پر لا کر اس کا مناسب بندوبست کرتی ہے کسی مظلوم پر ظلم ہوتا دیکھتی ہے۔ تو چلا اٹھتی ہے۔ اسے بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسرے کا غم بانٹتی ہے۔ اپنی محبت لٹاتی ہے۔ دوسروں کیلئے اپنے آپکو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتی۔ اس کا نام ہے انسانیت۔ پیار اور قربانی کا مجسمہ۔

"تعریف اتنی بڑی ہے کہ حقیر قلم سے تحریر کی تکمیل ناممکن ہے۔ زبان سے بیان نہیں کی جا سکتی۔ ہماری ہر بات ہمارے اٹھنے بیٹھنے۔ چلنے پھرنے بولنے۔ کھانے پینے۔ پہننے۔ سونے جاگنے۔ لکھنے پڑھنے۔ پیشاب۔ پاخانہ۔ صحبت۔ بندگی۔ دعا سلام ہر حالت میں انسانیت کا تعلق ہے۔ جو اپنے عمل سے اپنے ضبط سے۔ گفتار سے۔ عمل ضبط اور گفتار کی کسوٹیوں پر پورا اترتا ہے۔ وہی تو حقیقت میں انسان کہلانے کا مستحق ہے۔"

(باقی پھر)

اوم

حُسنِ خُداداد

(از قلم ڈاکٹر مدن گوپال سنگل)

انسان کے جمال کو حُسنِ خُدا سمجھ
ہر رُوح جاندار کو تو دلرُبا سمجھ

موجود ہر جگہ ہے خُدا چشمِ دل سے دیکھ
برگ گُل و ثمر میں اُسے رُونما سمجھ

دُنیائے دلفریب بنا کر وہ چھپ گیا
کیا کہنا اس ادا کا یہ اُسکی حیا سمجھ

مُنکر خُدا سے محوِ خودی و غرور ہے
انسان کیا ہے ایسے کو انساں نما سمجھ

جسکے نہیں ہے دل میں عقیدت کی روشنی
وہ کیا ہے؟ راز عشق سے بالکل ہے نا سمجھ

سُنو کی ہے ایک بات یہ تو رام رام جپ
ہر درد لا دوا کی اسے اِک دوا سمجھ

بہکا رہے ہیں مولوی پنڈت جہان کو
جن کو پتہ نہ آج کا جو کل سے نا سمجھ

پیاسا ہوں تری بزم میں اے ساقیٔ جہاں
وحدت کی مے پلا مری حالت ذرا سمجھ

سنگلؔ خُدا کی یاد سے غافل نہ ہو کبھی
ہر رنگ دلفریب ہے اُسکی ادا سمجھ

شری مستانہ جی کا یوپی حیدرآباد۔ پنجاب جموں اور کشمیر کا طوفانی دورہ

رسالہ اوم کے خریداران اور دیگر روحانیت کے پرستاروں کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ رسالہ اوم اجمیری گیٹ دہلی کے آنریری سرکولیشن منیجر شریمان لالہ موہن لال جی مستانہ رسالہ اوم کی توسیع اشاعت کیلئے، اور تجارتی فرموں اور ملوں وغیرہ سے اشتہارات حاصل کرنیکی غرض سے یوپی حیدرآباد پنجاب۔ جموں وکشمیر کا دورہ کر رہے ہیں۔

ست سنگی بھائیوں سے نویدن ہے کہ ہر پرکار سے اُن کی امداد فرماکر پُنیہ جاتی اور دھرم کی سچی سیوا کی بھاونا پیدا کرنے والے رسالہ اوم کو مزید تقویت دیکر پُنیہ کے بھاگی بنیں۔"

گورکھ ناتھ نندہ ایڈیٹر اوم دہلی ۶

اوم	اوم

خطوط گوبند

(از قلم شری سواحی گوبند آنندجی مہاراج)

خط نمبر ۲۵۰	از سوہلن ۲۷ جولائی ۱۹۳۴ء

منوناش واسنا کھشے کا طریقہ

پُورن وچارواں کے لئے منوناش واسنا کھشے سبھاوک ابھیاس اور پرویراگ سے ہی ہو جاتا ہے یعنی اناتما درش کو مِتھیا درشٹی سے جب اُدھر جاوے۔ دیکھتے رہنا اور آتم برہم کی سبھاوک بھاونا رکھنا۔ چلتے پھرتے بیٹھتے وغیرہ اِسی سے منوناش واسنا کھشے ہو جاویگا۔ مگر یہ خیال رہے کہ چت کسی پدارتھ کو ست اور دُکھ رُوپ مان کر آسکت نہ ہو جاوے۔ چونکہ آپ دانا ہیں۔ اِس لئے زیادہ حاجت تحریر نہیں۔

بیاس پُوجا کا دِن بڑے اُلساہ سے گُذر گیا۔ آپ کا پارسل ۳ بجے بعد دوپہر کے مِل گیا۔ اور مورتی بھی سب ٹھیک اور درست ہے۔ فقط سب کو اوم آنند۔ سب کی طرف سے ہری اوم۔ گوبند آنند

خط نمبر ۲۵۱	از گوجرانوالہ ۱۶ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء

برتی لکش کو نہ چھوڑے

پیارے آتما۔ اوم آنند۔ آپ کا کارڈ مِل گیا تھا۔ یہ شریر کل ۳۰ کاتک یہاں آگیا ہے۔ یہاں آٹھ دِن سے زیادہ رہنے کا خیال نہیں کیونکہ سردی ہو گئی ہے۔ آگے اَن جَل آپ نے جو اپنا پروگرام مطالعہ وغیرہ اور ابھیاس کا رکھا ہوا ہے ٹھیک ہے۔ مگر چلتے پھرتے برتی لکش کو نہ چھوڑے۔ آئندہ آپ دانا ہیں۔ فقط گوبند آنند۔

از طرف رام بخدمت سواحی جی مہاراج

خط نمبر ۲۵۲	از جموں۔ ۱۸ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء

منوناش واسنا کھشے تتو گیان کے طریقہ کیلئے درخواست

پرم پُوجیہ ست گُورو دیو شروتری برہم نِشٹھی شری ۱۰۸ اشریمان سواحی جی مہاراج۔ اوم آنند جے سچدانند۔ نمو نارائن سونیہ پرنام۔ ڈنڈوت پرنام۔ نمسکار نمسکار۔ نمسکار۔

پُوجیہ ہردیہ سمراٹ شہنشاہِ کائنات۔ آپ کی شیرینی بھری امرت پتر کا عین انتظار کیحالت میں موتیا جانور کی مبارک سواتی میگھ کی بوند کی طرح پراپت ہوئی۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ برتی لکش کو نہ چھوڑے گو سبھاوک برتی سے یہ نشچت ہے۔ کہ برتی کہیں اور کبھی بھی آتما سے اِتر (हृदय) (وغیرہ) استھان پر کسی انیہ وستو کو گرہن نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جب یہی ورتیہ آکار بھی ہوتی ہے۔ تو اس کا ثابت کنندہ پرکاشک ہر کال اور ہر حال

ہیں خود اپنا آپ برہم سروپ ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ سا کشی بھاو ہتی کے عمل سے ظاہر ہے۔ پھر بھی کلپت سکھ کی خاطر فرضی انتھا ن کال ہیں فرضی برتی ناٹک میں سوانگی کی طرح بہ ظاہر کرنے ہیں گریز نہیں کرتی کہ مفروضہ درشیہ کا جس سے نہ ہانی ہے نہ لابھ۔ جلد تر بادھ ہو جاوے مگر ایسا ہوتا نہیں۔ شاید پر ورتی کے سنسکاروں کے سبب یا پرار بدھ وغیرہ پر ورتی بھی اس وقت کوئی ظاہر اطوار پر سوائے سکول ڈیوٹی کے نظر نہیں آتی۔ اور اس میں کوئی وکھشیپ برتی کا اضافہ بھی نہیں۔ دوسرے پرار بدھ سو وہ بھی فرضی ہونے سے فرضی اثر دکھا رہی ہے۔ کہ وکھشیپ یا تندرا کبھی آمنہ دکھاتے ہیں۔ اس کا علاج آپ تحریر فرماویں۔ مگر یہ خیال نہ فرماویں کہ اس نتیجہ میں کوئی اضافہ ہو گیا ہے۔ یا کسی طرح اس میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ صرف منوناش واسنا کھشے اور تتو گیان کی تین لڑیوں کا تسلسل سیکھنا مطلوب ہے تاکہ آپ اپنے پودے کو جو کہ آپ نے اپنے دست مبارک سے لگایا ہوا ہے بارور ہوتا دیکھیں جس سے آپ جیسے باغبان کا نام مدام رہے۔ آمین۔ تتھاستو۔ فقط۔　　(رام)

خط نمبر ۲۵۳ - گوجرانوالہ ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء - از جانب سوامی جی مہاراج -

برہما کار برتی کا پرواہ

پیارے آتما۔ اوم آنند۔ اوم آنند۔ اوم آنند۔　　آپ کا پتر مل گیا۔ غور سے پڑھا گیا۔ نتیجہ (یقین) تو آپ کا بالکل درست ہے۔ اب جو آپ کا منشا ہے۔ کہ درشیہ کا بادھ ہو کر برتی سہا رک تدا کار رہے۔ اس کے لئے خاص اپرتی کی ضرورت ہے۔ جس قدر اپرتی ہوتی جاویگی۔ برتی برہما کار کا سلسلہ ترقی پکڑتا جاویگا۔ سمرتی ہی اسکی مخالف ہے۔ اور اہنگتا ممتا کا تیاگ اور سمرتی پدارتھوں اور انکے بھید واد گیان کی اسمیں قید ہے پہلے ڈیوٹی کے بعد کل میل جول اور فکر سوچ ڈیوٹی وغیرہ بھی جب کم ہو جاوینگے بلکہ بند۔ تب ہی اپرتی کا سلسلہ جاری ہوگا۔ اسی سے آپ کا مدعا پورا ہونا شروع ہوگا۔ آخر ڈیوٹی بھی خود جواب دے دیگی یا دینا پڑیگا۔ بلکہ شریر بھی معہ اہنگتا ممتا سب بھول جاویگا۔ تب وہ حالت تریا آ سکتی ہے جس کا آخری نتیجہ تریا تیت ہے۔ فقط۔ سب کو ہری اوم　　گوبند آنند۔　　"　　(باقی پھر)

اوم

اوم

(رگ نشید سے پیوستہ)

قسط سوم

مہرشی بامدیو کا اپدیش

(سنسار کی پیدائش پر وچار)

از بابو وانکٹیہ سنگھ جی بیدی آنریری منسٹر ہرنجائنی

تب بامدیو بولا۔ اے بھائیو! یہ آتما اکیلا ہے۔ اور اپنے حسن میں یگانہ ہے۔ اور اپنے کاموں میں قادر مطلق۔ اس کے سوائے کوئی دوسرا نہیں جو اسے دیکھے۔ اس لئے اسے چاؤ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دیکھے۔ جیسے حسین عورت کو کی چاؤ ہوتا ہے کہ اسے کوئی دیکھے۔ مگر جب وہ پردے میں رکھی جاتی ہے تو اسی چاؤ کے سبب وہ اپنے پاس آرسی رکھتی ہے اور آپ ہی اپنے آپ کو اس میں دیکھکر خوش ہوتی ہے۔"

پردہ میں عورت کا منہ بھی یگانہ ہوتا ہے۔ دوسرا نہیں جو اسے دیکھے۔ اور منہ بھی واحد ہے۔ اسلئے کیونکر اپنے آپ کو دیکھے۔؟ لیکن آرسی کے وسیلے اگرچہ واحد چہرہ دو نہیں ہو جاتا تو بھی دوسا ہوتا بیگانہ سا ہو جاتا ہے۔ اور جہاں یہ یگانہ بیگانہ سا ہوتا ہے۔ یگانہ بیگانہ کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح حسین عورت بھی آرسی میں بیگانہ سا ہوتی اپنے آپ کو دیکھتی ہے۔

یہ آتم دیوتاؤں سے بڑھکر یگانہ اور حسین ہے۔ کیونکہ نہ تو کوئی صفات رکھتا ہے نہ جزو بلکہ تمام صفات اور تمام جزوں سے پاک ہے۔ اور حسن روپ ہے کیونکہ سب حسن و جمال اسی کے پرتو اور اسی کی تجلیات ہیں۔ کیونکر اپنے آپ کو دیکھے؟ پردہ حسن روپ ہے۔ اسلئے دیکھنے کا چاؤ ازلی ابدی ہے۔ اس لئے اسے بھی آئینہ کی ضرورت ہے تاکہ اس میں وہ بیگانہ سا ہو کر اور ایک سے دوسا ہوتا ہوا عشق پیدا کرے اور اپنا دیدار پاوے۔

لیکن مثال میں تو چہرہ ایک ہوتا ہے اور آرسی کے وسیلہ دوسا ہوتا ہے مگر آرسی تو جدا گانہ شئے مثل اس کے موجود ہوتی ہے۔ یہاں تو سوائے آتما کے دوسری شئے بھی نہیں جو آرسی کا مادہ ہو سکے۔ بلکہ یہاں خود ہی آئینہ خود ہی دیکھنے والا خود ہی دکھائی دینے والا ہوتا ہے۔

اس بارہ میں تعجب مت کرو۔ جیسا کوئی جادوگر دو یا تین نہیں ہو جاتا تو بھی جادو کے سبب دو تین ہو کر دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح یہ آتما بھی جادوگر ہے اور اپنے جادو کے سبب خود ہی آئینہ خود ہی دیکھنے والا۔ خود ہی تماشہ ہوتا ہے اور اسی جادو کو سنسکرت میں مایا بولتے ہیں۔"

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جادوگر کا جادو اس کے تابع ہوتا ہے۔ اسے کچھ نقصان یا خوف نہیں دے سکتا۔ تو بھی دوسروں کو خوف نقصان اور خوشی کا باعث ہو جاتا ہے۔ دیکھو جادوگر جب جادو سے شیر ہو کر دکھائی دیتا ہے تو لڑکوں کو ڈراتا ہے۔ مگر اسی جادوگر کو نہیں ڈراتا۔ اسی طرح آتما کی مایا بھی آتما کو کچھ اثر نہیں کرتی۔ بلکہ اسی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ تو بھی اسی کو جب وہ بیگانہ سا ہوتا ہے۔ ڈراتی اور بندھ موکش کا بیوہار کرتی ہے۔ اس طرح اپنے دیدار کیلئے آتما آئینہ میں اتر اعجیب سنسار میں آیا ہے۔"

لیکن جب یہ اس آئینہ میں آیا ہوا سنسار میں رشیوں سے اُپرام ہو کر یا تا عادہ ویدک ریتی سے (یعنی کرم اور اُپاسنا سے) اِس آئینہ کو صفا کرتا ہے۔ اور اس طریقہ سے جو نظر کے لئے مقرر ہوا ہے اُسمیں نظر آتا ہے۔ تو پھر اپنے آپکو یگانہ دیکھتا مطلق ہوتا ہے اور تمام جادو کا سنسار فرو ہو جاتا ہے۔ وہی غنی کا غنی ہوتا ہے۔ یہی اسکی تقدیر ہے۔

تب وہ بولے۔ "اے بامدیو! ہمیں مفصل بتلاؤ کیونکر وہ اپنی مایا سے بیگانہ ہوتا ہے۔؟ اور اس کا آئینہ کیا ہے؟ اور کیونکر وہ اُس آئینہ کو تیار کرتا ہے؟ اور کیونکر آئینہ میں اُتر آتا ہے؟ اور کیونکر آئینہ میں سنساری ہوتا ہے؟ اور کیونکر وہ اُسمیں نظر کرتا ہے؟ اور کیونکر پھر وہ یگانہ ہوتا اس جادو گھر سے نکلتا ہے؟ اور کیا کیا اس جادوگری میں وہ کاریگریاں کرتا ہے۔؟"

تب بامدیو بولا۔ اے بھائیو! ابتدا میں یہی اکیلا آتما تھا۔ دوسرا کچھ بھی کلیت نہ تھا۔ تب اُس نے چاہا کہ میں اپنا دیدار کروں اور اپنے لئے آئینہ بناؤں لیکن جس طرح ایک بڑا انجینئر مستری پہلے اندیشہ کرتا ہے اور اسکی لکڑی اور پنیاں اور کیل تیار کرتا ہے۔ پھر اُنہیں جوڑتا اور شیشہ اندر لگاتا ہے اُسی طرح اُس نے اندیشہ کر کے اپنے آتما سے آکاش کو بنایا آکاش سے ہوا کو بنایا۔ ہوا سے آگ کو بنایا۔ - - - - - آگ سے پانی کو بنایا۔ اور پانی سے زمین کو بنایا جو سب چیز کی بنیاد ہے۔

تعجب مت کرو کہ اس نے اپنے آتما سے یہ کیونکر بنایا۔ جبکہ اُسکے پاس سوائے آتما کے دوسرا کچھ مادہ نہ تھا۔ بلکہ جس طرح پانی ہلنے سے جھاگ ظاہر ہوتی ہے۔ اُسی طرح اس کے سنکلپ سے تین گُن والی مایا بطور کف کے نمودار ہوئی۔ جو اُسی کی شان اس سے الگ نہیں۔ اور وہی سنکلپ رُوپ تھی۔ اس لئے آپ ہی مادہ آپ ہی کرتا ہوا۔ جیسا کہ سانپ اپنے لمبا ہونے گول ہونے اور ٹیڑھا ہونے میں آپ ہی مادہ اور آپ ہی کرتا ہوتا ہے۔

پھر اس نے چاہا کہ میں طبقات دنیا بناؤں جن میں سنساریوں کے بھوگ کیلئے اُنکے موافق آبادیاں بھی ہوں۔ اور میرے رُونما آئینہ کیلئے سنگار کے کمرے ہو جاویں۔ اور ان طبقات کو سنسکرت میں اوپر اور نیچے کے لوک بولتے ہیں۔ اُس نے اُن پنچ عناصر سے پہلے انڈ پیدا کر کے پھر یہ طبقات بھی بنائے بطور مختصر وہ چار ہیں۔ (۱) انبہ۔ (۲) مریچی۔ (۳) مر (۴) آپ۔

अम्भो. मरीचीमरमाप: ॥

جو طبقہ دیولوک سے لیکر اُوپر کا ہے۔ وہی انبہ अम्भ: کہلاتا ہے۔ اگرچہ اُس میں بھی بہت طبقات ہیں۔ تو بھی وہ تمام بطور کلیات انبہ کہلاتے ہیں۔ اور انبہ نام سنسکرت میں معدن رطوبات عزیزی ہے۔ اور اصل میں پانی ہے اور چونکہ وہ پنچ عناصر کے ملاپ سے جو لطیف ہیں بنایا گیا ہے اور پانی یعنی رطوبت کا غلبہ ہے۔ اسلئے اُسکا انبہ نام رکھا گیا۔" دیکھو ایشیا میں اگرچہ ہندوستان۔ برما اور چین وغیرہ بہت ملک ہیں مگر جس طرح اُن تمام کو بطور کلیات ایشیا بولتے ہیں اسی طرح دیولوک سے اُوپر جس قدر طبقہ بنائے گئے ہیں۔ سب کو بطور اجمال انبہ بولتے ہیں۔

دوسرا طبقہ مریچی ہے۔ اور وہ اسی قدر فضا ہے۔ جسمیں اوپر نیچے تک سُورج کی کرنیں پھیل کر تمام ہوتی ہیں۔ اور فضا کو سنسکرت میں انترکھش بولتے ہیں۔ اگرچہ یہ انترکھش انبہ میں بھی ہے۔ مگر اس کا اُس قدر حصہ جسمیں چاروں طرف سے آفتاب کی کرنیں پھیل کر ختم ہوتی ہیں۔ مریچی کہلاتا ہے۔ کیونکہ مریچ سنسکرت میں سُورج کی کرنوں کا نام ہے۔ جس عالم فضا میں کرنیں

پھیلتی ہوئی تمام ہوتی ہیں۔ اس انترکھش (فضا) کو مریچی بولتے ہیں۔ کیونکہ وہ سُورج کی کرنوں والا ہے۔ اس لئے مریچی ہے۔

تیسرا طبقہ مَر ہے۔ اور اُسے مات لوک بھی بولتے ہیں۔ کیونکہ مَر اور مات سنسکرت میں نام موت کا ہے۔ جہاں تک موت یا مرنے کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہی مَر یا موت لوک کہلاتا ہے! ورنہ زمین اُسکی غائت ہے۔ اسی میں اکثر جنم مرن کا برتاؤ ہوتا ہے۔ اگرچہ دُوسرے طبقوں میں سے بھی جانداروں کے بدن فنا ہوتے اور مات لوک میں نازل ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ وہاں اُنکے بدن خاکی نہیں ہوتے بلکہ آبی اور لطیف ہوتے ہیں اور عملوں کے ختم ہونے پر رنج و غم کی آگ سے مثل روغن پگھل جاتے ہیں۔ اُن میں فنا کی تصدیق تو ہوتی ہے۔ موت کی تصدیق نہیں ہوتی۔

یہاں مات لوک میں تو بدن قائم رہتا ہے۔ اور پران اُٹھتے ہیں۔ پیچھے لاش رہ جاتی ہے۔ اس لئے یہاں فقط موت کا برتاؤ ہوتا ہے۔ اسی سبب سے اس کو مات لوک کہتے ہیں۔

چوتھا طبقہ آپ (आप :) ہے۔ اُسے پاتال لوک بھی بولتے ہیں۔ چونکہ اُسمیں پانی سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے اُسے آپ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نام دراصل میں پانی کا ہے۔ جو سنسکرت زبان جانتا ہے۔ اُسے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اسی سبب کہ یہ سب سے نیچے کا طبقہ ہے۔ اسے پاتال لوک بھی بولتے ہیں۔

اِن چار طبقوں میں سے ہر ایک میں بہت بہت طبقے شامل ہیں۔ جس طرح ایک طبقہ انبہ میں وجہ بیان کیگئی ہے۔ سب میں جان لینی چاہئے۔ اور ہر ایک اگرچہ پنج عناصر مذکوروں سے بنایا گیا ہے۔ لیکن سب میں پانیوں کا غلبہ ہے کسی میں زیادہ کسی میں کم۔ اسی سبب سے اُن سب کو ہم شاستروں میں جل ہی بولتے ہیں۔ اور یہاں بھی انبہ مریچی۔ مَر آپ۔ نام کسی وجہ سے پانی کے نام سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اور دُوسری وجہ بھی رکھتے ہیں۔ جو اوپر لکھدی گئی ہے۔ آگے اس داستان میں جہاں پانیوں کا ذکر کرینگے۔ یہی پنج عناصر جاننے چاہئیں۔ جس میں پانیوں کا غلبہ ہے۔

پھر جس طرح دانا مستری تختے (پھٹیاں) تیار کرتا ہے۔ اور ایک دُوسرے کو اُوپر نیچے ٹھوک دیتا ہے۔ اسی طرح پرماتما نے بھی اِن طبقوں کو اسی انڈ کے اندر جو دائرہ ہے اور پرماتما کے سنگار کا بنگلہ ہے۔ ایک دُوسرے میں ٹھوک کر ایستادہ کر دیا ہے۔ انبہ کی چوٹی تو دیو لوک میں پھنسا دی اور اُسے اُوپر رکھا اور نیچے اُس کے مریچی کو پھنسایا۔ اس لئے انبہ اور مریچی کی فصیل مشترک دیو لوک ہے۔ اسی سبب سے دیو لوک انبہ کی پرتشٹا کہلاتا ہے۔

پھر مریچی لوک کو دُوسری طرف سے زمین میں ٹھوک دیا جو مات لوک ہے۔ اور اس کے نیچے پاتال لوک قائم کر دیا جو دُوسری جانب اس کے نیچے نوس دائرہ میں ہے۔ جسے سنسکرت میں انڈ بولتے ہیں۔ اس طرح اِن طبقات کو دائرہ کے اندر ٹھوک کر قائم کر دیا۔ اگرچہ یہ جملہ چار طبقے ہیں۔ اکثر شاستروں میں ان ضمنی طبقے جو بڑے ہیں شمار کر کے چودہ طبقے بھی بیان کئے ہیں۔ سات طبقے اوپر کے سات نیچے کے۔ اس طرح چودہ طبق یعنی سات سات لوک بولا کرتے ہیں۔"

اوم

قسط ۱۱

منش جنم

اوم

(از قلم شری کرپال سنگھ جی ایم اے)

من کو اگر ہم چلاتے ہیں تو آتما کی سمت میں نہیں اناتما کی سمت میں چلاتے ہیں۔ جس سے زیادہ سے زیادہ سنسارک پدارتھ فراہم کر سکیں۔ من کے سکھ کا جو اصلی سروپ آتما ہے۔ اسکے ساتھ ہم اسے ملنے ہی نہیں دیتے۔ پھر اصلی اور ستھر سکھ کیسے مل سکتا ہے۔ ہماری حالت اُس آدمی کی طرح ہے جو دن رات پانی کو بلونے لگا ہوا ہے۔ اور اُس میں سے مکھن حاصل کرنے کی اُمید رکھتا ہے۔ چاہے وہ ساری زندگی اس کام میں لگا رہے۔ وہ مکھن حاصل نہیں کر سکتا۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں:۔

جل بلووے جل مہتھے۔ تت لوڑے اندھ اگیانا ۔ گورمتی ددھی مہتھیئے۔ امرت پایئے نام ندھانا

یہ اندھا اور گیان سے خالی انسان پانی کا منتھن کر رہا ہے اور اسمیں سے سار وستو (مکھن) نکالنا چاہتا ہے۔ وہ کیسے مل سکتا ہے۔ اگر گورمت پر چل کر شریر کے اندر من روپی دہی کو بلویا جاوے تو نام روپی امرت مل سکتا ہے۔''

پانی بلونے کا مطلب یہاں من کی سکھ پراپت کرنے کی غرض سے باہری دوڑ ہے اور دودھ بلونے کا مطلب من کا اندر کی طرف لگنا ہے۔ پرمارتھ سدھی کا مارگ تو ہے ہی من کے اندر کی طرف لگنے کا مارگ۔ من کی مکمل اکاگرتا کا مارگ لیکن سنسارک کام کے لئے بھی من کا سنسارک کاموں میں اکاگر ہونا۔ سوچ وچار کرنا۔ یوجنا بنانا ضروری ہے نہیں تو یہاں بھی انسان کو کامیابی نہیں مل سکتی۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ نروان۔ موکش یا نورتی کا مارگ ہر انسان کے لئے نہیں ہے۔ یہ بہت ہی کم لوگوں کے لئے ہے جن کا جنم جنمانتروں میں اس طرف کا سنسکار بنا ہوا ہے۔ یا جو لوگ مانسک اور آتمک طور پر وکاس (EVOLUTION) کے بلند ترین درجہ تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ روحانیت کی اونچی اوستھا ہے۔

عام لوگوں کیلئے روحانیت کی ابتدائی تعلیم ہے جو کہ سنسار کے سب دھرموں میں ایک ہی ہے۔ اس پر کسی دھرم میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس تعلیم کے دو نقاط ہیں:۔

۱۔ نیک کام کرو کیونکہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ۲۔ پرماتما میں وشواس رکھو۔

جو لوگ نیک نیتی سے ان دو باتوں پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ روحانیت کے اونچے درجہ کی طرف ترقی کر جاتے ہیں۔ یہ دونوں سدھانت روحانیت کا بیج ہیں۔ جو لوگ اس طرف دھیان نہیں دیتے۔ اور جنہوں نے زندگی کا مقصد "کھاؤ پیو مزے اڑاؤ" رکھا ہوا ہے انکا کلیان کئی جنموں میں بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگوں کو انسانی شکل میں پشو کہنا زیادہ موزوں ہے۔

روحانیت کی ابتدائی تعلیم کے اس مارگ کو "انسانیت کا مارگ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ مکمل انسان ہی روحانیت میں

داخل ہونے کا ادھیکاری ہے۔

اِس زمانہ میں انسانیت لہولہان ہو رہی ہے۔ انسان کی رگ رگ میں خود غرضی سمائی ہوئی ہے۔ اس کا اصل کارن یہ ہے کہ انسانی سماج میں دماغ کے وکاس پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ اور دل کا وکاس بالکل نچلی سطح پر ہے۔ "مکمل انسان بننے کے لئے یہ دونو پہلو ایک ساتھ چلنے چاہئیں" دماغی وکاس سائنس کی ترقی۔ فلسفہ۔ غور و خوض نیائے یو جنا بندی وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور دلی وکاس کا مطلب ہے محبت۔ پیار۔ لگن۔ بھراتری بھاو۔ ہمدردی۔ عاجزی و انکساری۔ من کی کوملتا۔ انسانی جذبات کا ہونا وغیرہ۔ آج کے یُگ میں دماغ انتہائی ترقی پر پہنچ چکا ہے۔ لیکن دل ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ دماغی ترقی مادی طور پر خوشحال ہونے کے لئے ضروری ہے اور دل کی ترقی شانتی پراپت کرنے کے لئے درکار ہے۔ آج اگر لوگ لکھپتی و کروڑپتی ہوتے ہوئے بھی اشانت ہیں تو اُس کا واحد کارن اُنکے دل یا ہردیہ کا پچھڑا ہوا ہونا ہے۔

دماغی وکاس کرنے کے لئے سائنس و فلسفہ ضروری ہے لیکن دلی وکاس کے لئے دھارمک یا ادھیاتمک تعلیم کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دماغی وکاس کے لئے سماج نے بڑے پیمانہ پر تعلیمی ادارے اور علمی سکھلائی کی سنستھائیں کھولی ہوئی ہیں اس لئے دماغ کا ترقی کر جانا قدرتی بات ہے۔ اس کے برعکس دھرم یا ادھیاتمکتا کو خاص اہمیت نہیں دی جا رہی بلکہ اسے فضول سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دماغ ترقی کی دوڑ میں بہت آگے نکل گیا ہے اور دل بہت پچھڑا ہوا ہے۔ دنیا میں پشو ورتیوں اور غیر انسانی چلن کے پرچلت ہونے کا یہی بنیادی کارن ہے۔ دل وکاس نہ ہونے کی وجہ سے ہی آج سنسار میں سے ہمدردی بھراتری بھاو اور پیار ختم ہوتا جا رہا ہے۔ دلی و دماغی گنوں کا آپسمیں ٹھیک تناسب نہ رکھنا سنسار کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اگر دل کی ترقی دماغ کے شانہ بشانہ ہوئی ہوتی تو دنیا میں اتنی بڑی بڑی جنگیں کبھی نہ ہوتیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ نہ اُتارا جاتا۔ انسانوں کے درمیان ذات پات۔ مذہبی۔ نسلی۔ انتر راشٹریہ بنا پر نفرت نہ ہوتی۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن جی نے ٹھیک ہی لکھا ہے:-

"If inspite of these possibilities of material abundance and intellectual power, peace is still in peril, it is due to a cussedness in human nature which still persists, a moral blindness, a spiritual affliction which we are unable to overcome."

"مادی خوشحالی اور دماغی شکتی کی سمبھاؤناؤں کے ہوتے ہوئے بھی اگر آج امن کو خطرہ ہے تو اس کا کارن انسانی پرکرتی میں بُرائی کا ہونا ہے جو کہ ابھی تک چالو ہے۔ اس کا کارن اخلاقی اندھاپن ہے۔ روحانی بیماری ہے جس پر ہم قابو پانے کے ناقابل ہیں۔"

(باقی پھر)



اگلا بچہ ابھی نہیں

تین کے بعد کبھی نہیں



davp 69/470

برہم لین تپھری سوامی گوبند آنندجی مہاراج کی پوتر سمرتی میں بھگوان بھون رشی کیش میں وارشک اُتسو

ماہ اپریل مورخہ ۱۱-۱۲-۱۳ کو ہوا

اوم

قسط ۳

ست سنگ سمیلن

(از قلم پروفیسر نندلال جی ایم. اے)

پرم پوجیہ امر مُنی جی مہاراج: "آپ پرم پوجیہ برہم لین سوامی گوبند آنندجی مہاراج کے گوردیو پرم پوجیہ سوامی رام تیرتھ جی کے اننیہ بھگت ہیں۔ رام کی حقیقی مستی آپ کے ایک ایک شبد سے برس رہی تھی۔ آپ نے سوامی رام تیرتھ جی کے بیان کردہ ویوہارک ویدانت یعنی (VEDANTA IN PRACTICALLIFE) پر پرکاش ڈالا اور پانچ پرکار کے انسانوں کے جیون کو پیش کر کے ادھیاتمک مارگ میں انسانی جیون کے وکاس کی حقیقی تصویر پیش کی۔

۱۔ پیٹ پالو یعنی انسان بصورت جمادات۔ جو کہ اپنے جیون کو سُکھی بناتے اور آنندمئے جیون بنانے کو ہی زندگی کا لکھشیہ سمجھتا ہے۔ ایسا انسان پتھر کی طرح ایک ستھان پر قائم ہے اُسکی پرگتی شونیہ کے سمان ہے اسکی گردش کو لٹو کی گردش سے تشبیع دی گئی ہے۔

۲۔ کنبہ پرور۔ انسان بصورت نباتات۔ جو کہ اپنی ذاتی بہبودی سے قدرے آگے بڑھ کر اپنے پریوار کے بارے میں سوچتا ہے اُنکی پالن پوشن کو اپنا نقطۂ نگاہ مانتا ہے۔ دوسروں کے سُکھ اور آرام کو چھین کر اپنے پریوار کو سُکھی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ گو وہ نام کا انسان ہے لیکن حقیقت میں اُسکی ترقی نباتات جیسی ہے۔ جیسے پودے اپنی جگہ پر اوپر اُٹھتے ہیں اپنے مرکز سے ایک اِنچ آگے پیچھے نہیں جا سکتے یہی اُس کی کیفیت ہے۔ اُسکی گردش کو کولھو کے بیل کے مشابہ گردانا گیا ہے جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بہت سفر طے کر چکا ہوں۔ لیکن جونہی پٹی کھلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو وہیں کا وہیں پاتا ہے۔ یہی حالت ایک کنبہ پرور کی ہے جس کے دماغ میں سمایا ہوتا ہے کہ میں نے کئی کام کر لئے کئی کوٹھیاں بنائیں۔ بچّوں کو تعلیم دلا کر اعلیٰ رتبہ پر پہنچایا۔ لیکن جونہی اگیانتا کی پٹی کھلتی ہے تو پتہ چلتا ہے۔ بقول ؎

وائے نادانی بوقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اتنا کچھ ہوتے ہوئے وہ پیٹ پالو سے کافی اچھا ہے کیونکہ اُس نے اپنے خیال کے دائرہ کو قدرے وسعت دی ہے۔

۳۔ قوم پرور۔ یعنی انسان بصورت حیوانات۔ جو اپنے پریوار کی حد بندی سے نکل کر اپنی قوم کے بارے میں سوچتے ہیں۔ قوم کی بہبودی بھلائی اور ترقی میں اپنی ترقی سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ بھی ایک قوم کے دائرے میں محدود ہیں گو کنبہ پرور کے مقابلہ میں اُن کا نسوار رکھ بھاؤ قدرے وسعت پذیر نظر آتا ہے لیکن آزادی کی جھلک اُس میں بھی بہت کم ہے۔ دوسری اقوام کو نقصان پہنچا کر اور اُنہیں تکالیف میں ڈال کر وہ اپنی قوم کی خوشحالی کے لئے متمنی رہتے ہیں۔ جیسے پشو اپنی جاتی کے پشوؤں کے علاوہ دوسری جاتی کے پشوؤں سے لڑنے مرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ یہی کیفیت قوم پرور انسانوں کی ہوتی ہے۔ ایکتو بھاو ان میں بہت کم نظر آتا ہے۔ ان کا دائرہ گھوڑ دوڑ کے میدان کی طرح ایک ہی نشانہ تک سیمت (محدود) رہتا ہے۔"

۴۔ انسان بصورت انسان۔ ان کا دائرہ فکر کافی وسیع ہوتا ہے درشٹی میں کافی پھیلاؤ اور پاکیزگی آجاتی ہے۔ جہاں پیٹ پالو اپنے پیٹ کیلئے کُنبہ پرور کنبہ کیلئے اور قوم پرور قوم کیلئے سوچتا ہے۔ وہاں وہ سارے دیش کیلئے سوچتے ہیں اپنے ملک کے ہر انسان کو اپنے پریوار کا فرد مانتے ہیں۔ دیش پیار اُنکی رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے۔ ماتری بھومی کی پوتر دھولی کو اپنے مستک پر لگا کر وہ اپنے جیون کا کلیان مانتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسے انسان بھی ایک قسم کی قید میں مقیم ہیں۔ اپنے ملک کے علاوہ دوسرے ممالک کی ترقی اُنکی آنکھوں میں ہر وقت کھٹکتی رہتی ہے۔ دوسرے ممالک کو تباہ و برباد کر کے وہ اپنے ملک کی بہبودی کے خواہاں رہتے ہیں۔ دنیا میں عالم گیر لڑائیاں انہیں لوگوں کے جذبات کے کارن ہوئیں۔ جن میں خون کی ندیاں بہائی گئیں اور لاکھوں انسانوں کی زندگیاں پائمال و برباد ہوئیں۔ بقول سوامی رام تیرتھ جی "پیارے آزادی کے خواہشمند ہو تو اسے جیل خانہ دنیا میں مت ڈھونڈھو۔ ملک کے مالک بن جانے پر بھی آزادی نہیں ملے گی۔ اپنے سروپ کو سمجھو تو آزادی لے گی اور کسی طرح کی قید دامن گیر نہیں رہے گی"۔ انکی گردش کو چاند کی گردش سے تعبیر کیا گیا ہے جو کہ بڑھتی اور گھٹتی رہتی ہے۔

پانچویں قسم کے انسان۔ آتم درشی۔ برہم گیانی۔ یعنی زندہ جاوید ہیں۔

ایسا انت دیتا جہاں پرش جہاں ہوتا ہے وہیں سُکھ اور شانتی کی گنگا بہا دیتا ہے۔ وہ تمام پرانی ماتر کیلئے سوچتا ہے۔ وہ سب کا اپنا آپ۔ سب کی زندگی، سب کی رُوح اور سب کی جان ہوتا ہے۔

گوروا ک۔　　برہم گیانی سدا سم درسی　　برہم گیانی کی درشٹ امرت برسی
　　برہم گیانی سب سرشٹ کا کرتا　　برہم گیانی سد جیوے نہیں مرتا

اُسکی نظر میں دویت کی گنجائش ہی نہیں رہتی"۔　　؎ آپ ہی آپ ہوں یاں غیر کا کچھ کام نہیں"

راماین :-　　سیا رام مَیں سب جگ جانی　　کروں پرنام جوڑ پانی

ایسا زندۂ جاوید مہاپُرش سورج کی طرح اپنے پرکاش سے پرانی ماتر کے جیون کو پرکاشت کر دیتا ہے۔ اس کی اسیمت (لامحدود) درشٹی مانو کے ہردوں میں پریم کی گنگا بہا دیتی ہے۔ بقول :- ؎

خُدائی کہتا ہے جسکو عالم سو وہ بھی ہے اک خیال میرا　　بدلتا صورت ہزار ڈھب سے ہر ایک قوم میں ہے حال میرا
کہیں ہوں سورج کہیں ہوں ذرہ کہیں ہوں دریا کہیں ہوں قطرہ　　ز شورِ کثرت سے اپنی مجھکو ہوا ہے ملنا محال میرا
طلسم اسرار گنج مخفی کیوں نہ ہینے کو اپنے کیونکر　　عیاں ہوا حال ہر ذرہ عالم ہوا جو ظاہر کمال میرا

ایسی اوستھا کی پراپتی ہی منش ماتر کا انتم لکھش ہے جس کے بغیر جنم مرن کے چکر سے رہائی محال ہے"۔

(باقی پھر)

اوم — قسط ۵

باوالال جی

(از قلم شری جیرام داس جی بی اے ایس سی پوری)

کچھ دیر وہاں اقامت کرنے کے بعد سوامی جی نے بھوچھ [1] کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس رسم کے لئے ضروری سامان فراہم کیا گیا اور بہت سے مہاتما اور دیگر اشخاص کی موجودگی میں رسم دھوم دھام سے سر انجام پائی۔ بعد ازیں جب گورو اور چیلا دونو ہی رہ گئے تو ایک دن سوامی جی باوالال جی کا ہاتھ پکڑ کر راوی سے پار لے گئے۔ کبھی کبھی سوامی جی ایسا کھیل رچاتے کہ وہ خانہ بدوشاں [2] کے مسکن پر تشریف لے جاتے اور وہ لوگ بھی انکی سنگت سے سمادھی میں غرق ہو جاتے۔ باوالال جی نے دیکھا کہ وہ جہاں اور جس وقت دیکھتے ہیں گورو مہاراج موجود ہوتے ہیں۔ ایک دن گورو مہاراج نے حکم دیا کہ میرے سونے کے بعد سویا کرو اور جاگنے سے قبل جاگو۔ [3] ان حالات میں باوالعل بیشتر عرصہ بیدار رہتے کہ مبادا گورو مہاراج کے جاگنے کے وقت سوتے ہی نہ رہ جائیں۔ اور اس بیداری کے عالم میں ہمیشہ مکھ سے رام رام کا سمرن کرتے رہتے۔ گورو مہاراج نے فرمایا کہ زبان سے رام رام تو سب لوگ کرتے ہیں یہ دھونی تو من اور آتما سے نکلنی چاہیئے۔ جیسے اجپا جاپ [4] کہتے ہیں۔ اور نام کے جاپ کا مطلب تو اپنے آپ کو اس ذات واحد میں جذب کرنا ہے۔ جب دلبر ہی مل گیا تو پھر سجدہ (نمسکار کس کو کریں) اور جاپ کا مدعا تو جاپ کرنے والے اور رام میں یگانگت ہوتا ہے اور یہی منزل خود شناسی ہے۔ تو اپنے آپ کو دیکھ کہ تو کون ہے۔ اور اگر دونوں ایک ہی ہیں تو تو اس سے علیحدہ کیا ہستی رکھتا ہے۔ غرض ان احکام سے بابا لال سمادھی میں مشغول ہو جاتے۔

بعد ازاں گورو مہاراج نے فرمایا کہ دوارکا جاکر بازوؤں پر چھاپہ لگوا کر گوپی چندن لے آؤ۔ (یہ پرانے زمانے سے بیراگیوں میں دستور چلا آتا ہے۔ چھاپہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سادھو تیرتھ یاترا کرتا ہوا وہاں تک زیارت کر آیا ہے۔) جب حسب الحکم دوارکا پہنچے تو ایک شخص نے آکر دریافت کیا۔ کہ آپ گوپی چندن لینے آئے ہیں۔ جواب ملنے پر اس نے بازو پر چھاپہ لگا دیا۔ اور گوپی چندن دے دیا۔"

---

[1] بھوچھ دراصل بھونسو سے بگڑا ہوا ہے۔ یہ وہ رسم ہے جو کسی بزرگ کی وفات کے چار سال بعد سرانجام دیجاتی ہے۔ اسمیں سادھو بھوجن اور دان شامل ہیں۔

[2] کئی سنتوں کا دستور ہوتا ہے کہ وہ دنیاوی لوگوں سے علیحدہ رہنے کی خاطر شراب خانہ وغیرہ کے باہر ڈیرہ لگا لیتے ہیں کہ لوگ اس کو لہو ولعب کا شکار سمجھکر تنگ نہ کریں۔" [3] یہ بھی یوگ کی نو بندھیوں میں ایک ہے۔

[4] تان تے جپیئے اجپا جاپ۔ سوتہ سوتنتر پُن نہ پاپ۔

سواس سواس کہ سمریا گورمکھ اجپا جاپ تیش رہت شبیش یا پانہ تہد پُن نہ پاپ۔

۵. جب وہاں سے گوپی چندن لیکر واپس آئے کیا دیکھا کہ گورو مہاراج پانچ روز سے گرم ریت پر سمادھی میں مست اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے وجود کی بھی حالت سے ناواقف ہیں۔ بابا لال ۲ دو دن اور رات انکے سامنے کھڑے رہے۔ بعدازیں سوامی چیتن جی نے جب آنکھیں کھولیں تو سوال کیا کہ گوپی چندن لائے۔ بابا لال جی نے فی الفور حاضر کر دیا۔ گورو مہاراج نے لیکر مٹی میں ملا دیا۔ اور فرمایا کہ تمہاری تپسیا سپھل ہوئی۔ پھر سوامی جی باوا لال جی کو لے کر نگر کوٹ (کانگڑہ) کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک جگہ پر ایک راستہ دوسرے سے علیحدہ ہوتا تھا۔ پہنچ کر سوامی جی نے فرمایا کہ ان میں ایک راستہ لے لو اور جاکر اس سمت میں بھگونت نام کا پرچار کرو۔ انکی اجازت سے ایک راستہ پر چل دیئے اور انکے مانند ہی ڈیرہ خانہ بدوش پر اقامت پذیر ہوئے اور وہ لوگ بھی انکی ذات والاصفات سے سرفراز ہوکر بھگتی بھاؤ میں مگن ہو جاتے۔

بعدازاں بابا لال جی کلانور تشریف لے آئے اور بابا جی کے آنے کی خبر تمام قصبہ میں پھیل گئی۔ ان دنوں میں وہاں ایک سنت جو بھگوان کے پورن بھگت اور دنیا کے تمام وہم وسواس سے مکت بابا دھیانداس رہا کرتے تھے۔ ان کو جب شری باوا لال جی کے آنے کی خبر ملی تو وہ بھی انکے درشنوں کے لئے روانہ ہوئے۔ چونکہ باوا لال جی اپنے آپ کو دنیا کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے خانہ بدوشاں کے ڈیرہ پر چلے جاتے تھے۔ بابا دھیانداس بھی اسی ڈیرہ پر پہنچے۔ گو وہاں دیگر کچھ مریدان پہلے ہی موجود تھے مگر ان کو درشن نہ ہوتے تھے۔ مگر بابا دھیان داس کو درشن کرنے میں دقت محسوس نہ ہوئی۔ اور جب انکو نام کی خماری میں مست اور ظاہر میں سوتے اور باطن میں بیدار اور اس پرماتما کے دھیان میں محو دیکھا تو خانہ بدوش اٹھکر روانہ ہو گئے۔ اور بابا جی ایک ہفتہ تک اسی حالت میں رہے۔ سات دن کے بعد جب باہر کی آنکھ کھولی تو بابا لال جی نے بابا دھیانداس کو دیکھا تو وہ اس نور حقیقت کے چرنوں میں نمسکار کیا۔ کچھ سال اسی طرح وہاں اقامت پذیر ہوئے۔ انکے اس الست روّیہ کو دیکھکر عام طور پر عورتیں اپنے بچوں کو اکیلا گھر سے باہر نہ جانے دیتیں کہ کہیں وہ بھی اسی مستی کے دلدادہ ہوکر جامہ درویشی نہ پہن لیں۔

کچھ عرصہ بعد بابا لال جی نے بابا دھیان داس کو فرمایا کہ کلانور کے پاس ایک ویران جگہ ہے وہاں رہائش کے لئے ڈیرہ تعمیر کیا جاوے۔ مگر بابا دھیانداس ایسی جگہ جو سنتوں کے قیام کے لئے موزوں ہو تلاش کرنے کو روانہ ہو گئے اور وہ مقام جہاں اب شری دھیان پور واقع ہے تجویز کر کے [illegible] حاضر خدمت ہوئے۔ اسی اثنا میں اور بھی فقرا بابا لال کے چیلہ بن کر حلقہ بگوش ہوئے۔ جن میں ایک [illegible] بابا سیوا داس [illegible] اور دوسرے بابا گورمکھ لال جی تھے۔ اور بعدازاں بابا کانشی رام کو چیلہ بنایا اور پھر وہاں سے [illegible] عبادت میں [illegible] کو بھگونت بھجن کا اپدیش کرتے ہوئے تینوں چیلوں کو لیکر شری دھیان پور پہنچے تو ان برگزیدہ مریدان کے متعلق اپنی زبان مبارک سے فرمایا۔

سالکھی ۔ مکھ سیوا نیتر گورمکھی استن کانشی رام ۔ کام [illegible] کو ہے جہاں لال کیو بسرام

۶. گویا ہر تینوں صورتیں میری ہیں اور میں کام [illegible] گئے کی مانند ہوں۔ جیسا کہ گائے کے تھن میں دودھ جیسا امرت ہوتا ہے۔ اور بابا کانشی رام نمبر ۳ تھنوں کے ہیں اس لئے گیان کی دھارا کا پرواہ بابا کانشی رام جی سے ہوتا ہے۔ اور جو بھی گیان کا متلاشی ہے بابا کانشی رام سے مستفید ہو سکتا ہے۔

بعد ازاں بابا کانشی رام جی تیرتھ یاترا پر روانہ ہوئے اور دیگر سنتوں و جنتا کو بھگونت بھگتی کا اُپدیش اور گیان کے پرواہ سے آنند کرتے ہوئے گھومنے لگے اور جب وہ کاشی (بنارس) پہنچے تو وہاں پنڈتوں سے گیان گوشٹ کی اور پرماتما کے ادویت واد اور برہم ودیا کا اُپدیش کیا۔ جس سے پنڈت لوگ بہت پرسن ہوئے۔ اور اُن سے سوال کرنے لگے کہ آپ کس ورن۔ آشرم۔ یا فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورن یعنی برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر۔ آشرم یعنی برہمچاری۔ گرہستی۔ بان پرستھی۔ اور سنیاسی۔ اور فرقہ جنکو چھ درشن بھی کہتے ہیں یعنی اوّل فرقہ سنیاسی جو بمنزلہ آکاش کے ہے۔ دوئم فرقہ صوفی جو بمنزلہ باد یعنی پورن ہے۔ تیسرا فرقہ سیورا جو بمنزلہ سوراج کے چوتھا فرقہ برہمن جو ودن بھی ہے۔ پانچواں فرقہ جنگم ہے جو بمنزلہ پانی کے ہے اور چھٹا فرقہ جوگی ہے جو بمنزلہ مٹی کے ہے۔ بابا کانشی رام نے فرمایا۔ کہ ہمارے گورو مہاراج کے سامنے ایسا کوئی تفرقہ نہیں جیسا کہ دُنیا کا دستور ہے۔ ساکھی

مت کا ہو کا نہ کہو نہ کو دھا دیو بھیکھ ۔ گیان دھیان پورن کلا دھیانا لال الیکھ ۔

یعنی نہ کوئی خاص مت ہے نہ بھیکھ ہے ۔ باوا لعل تو اُس الیکھ کے دھیان کا ہی اُپدیش کرتے ہیں پنڈتوں نے عرض کی کہ جب تک کسی کے کمال و گیان و گورو کا پتہ نہ ہو وہ اُس سے کیسے دیکشا لے سکتا ہے (مرید بن سکتا ہے) یا شرن دھار سکتا ہے۔ اور جو بھی سنت آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں فلاں ہوں اور اس مہاتما کا شش ہوں۔ اُس سے اُسکے اور اُسکے گورو کا گیان کا پتہ لگتا ہے۔ ست جگ میں انسان کی عمر ایک لاکھ سال ہوتی تھی۔ تریتا میں دس ہزار سال۔ دواپر میں ایک ہزار سال۔ اور کل جگ میں ایک سو سال ہے۔ اور بزرگان نے اس عمر کو چار حصّوں میں بانٹا تھا۔ اول برہمچریہ کہ اس میں علم کو حاصل کریں۔ دوئم گرہست کہ اس میں گھر بنا کر رہے۔ اولاد پیدا کرے جس سے خاندان کا سلسلہ چلتا رہے۔ تیسرا بان پرست کہ جنگل میں جا کر بھگتی اور تپ میں وقت گذارے۔ اور چہارم درجہ سنیاس کہ تپ اور بھگتی کے علاوہ دُنیا کو تیاگ کر اپنے آپ کو پہچانے اور دُنیا کو فانی سمجھ کر سیوا اور گیان کے پرچار میں سہیوگ دے۔ گو کلجگ میں عمر سو سال کہی گئی ہے۔ مگر یہ اندازہ کوئی خاص مقرر نہیں اور ہر چاروں آشرم اسی عمر میں ہی مکمل کریں۔ بابا کانشی رام جی نے پنڈتوں کے لابھ کیلئے ادویت اور گیان کا اُپدیش کیا اور بیراگ جو کہ برہم چرج کا ہی ایک روپ ہے اُپدیش کیا۔ اور گلے میں کنٹھی اور تلسی باندھ کر اُنکو شری ست گورو باوا لعل دیال کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ (باقی پھر)

اوم قسط ۲ — سلسلہ کیلئے دیکھو پرچہ ماہ مئی ۱۹۷۰ء — اوم

ویراگ

(از قلم شری نندلال جی ایم اے)

دو واقعی اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو بھوگ، روگ اور سوگ کا گھر اور تمام قسم کی برائیوں کا مخزن نظر آتے ہیں۔ شاستر نے ان میں تین پرکار کے دوش بتلائے ہیں۔ جن میں سب خامیاں آجاتی ہیں:۔ (۱) اتی شٹینا۔ (۲) دکھ سادھنا۔ (۳) کھینٹرتا۔ ”۱۔ اتی شٹیتا۔ بے چینی۔ بے قراری اور خواہشات کا بڑھ جانا۔“ دکھ سادھنتا۔ انکی پراپتی کے سادھنوں میں سنکٹ اور دکھ اور انکے بھوگنے سے کئی پرکار کے شاریرک اور مانسک روگوں کا پیدا ہونا۔“ کھینٹرتا۔ بھوگوں کا اک رس نہ رہنا ان کے ویوگ کا بھے اور جدائی کا دکھ، مذکورہ دوشوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انکے جال میں گرفتار ہونا کہاں کی دانائی ہے؟“ گوربانی میں اندریوں کے بھوگوں کو خواب غفلت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ اگیان کی وہ اوستھا ہے جس میں گرفتار انسان اپنے مقصد حیات یعنی نجات سے دائما محروم رہ جاتا ہے۔

گوروا‌گ
تینوں نیند پرورشٹ وکار ۔ سرو نر سوتے سُن نند وچار
رسنا سوئی لوبھ میٹھے ساد ۔ من سویا مایا بسماد
اس گریہہ میں کوئی جاگت رہے ۔ ثابت وست اوہ اپنی لہے

یعنی من سمیت سب اندریاں وشے بھوگوں اور مایا کی مستی میں پڑ کر حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اور اگیان میں شرابور ہو کر اپنی حقیقی پونجی کو نشٹ کر رہی ہیں۔ انہیں ووِیک اور ویراگ کی اوستھا میں جاگنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اپنے لکھش کو پراپت کر سکیں۔ حقیقت میں ویراگ ہی وہ اُتم مانسک اوستھا ہے جسکی برکت سے انسان تمام قسم کے عیوب سے پاک ہو کر نہ صرف درجۂ انسانیت میں کمال حاصل کرتا ہے۔ بلکہ برہم پد یعنی مقام الوہیت تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ وہ کٹھالی ہے۔ جس میں پڑ کر انسان کندن بن جاتا ہے۔ اور لاکھوں انسانوں کی رہنمائی کر کے انہیں راہ راست پر لگاتا ہے۔ مہاتما بدھ۔ گورو گورکھ ناتھ جی۔ مہابیر سوامی راجہ بھرتری۔ سوامی رام تیرتھ جی۔ اور سوامی وویکا نند جی کے جیون اس بات کا پرتکھش ثبوت ہیں۔ جنہوں نے ویراگ کی رہنمائی میں زندگی کی منازل طے کر کے مقصد حیات کو حاصل کیا اور لاکھوں انسانوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ بھرت جی ویراگ کا مجسمہ تھے۔ ویراگ کا اگر ساکار روپ دیکھنا ہو تو بھرت جی کے جیون کو سامنے رکھنے سے اس کی کرن جھلک نظر آتی ہے۔ بھرت جی پرم تیاگی ویراگی تیجسوی اور تپسوی تھے۔ من کی برتیوں کو اپنے کا گر کرنے کا واحد ذریعہ ویراگ ہی ہے۔ شریمد بھگوت گیتا چھٹا ادھیائے ارجن نے بھگوان کرشن سے پرشن کیا۔“ ہے کرشن من چنچل ہٹی بلوان ہے درڑھ ہے گھنا
من سادھنا دشکر رکھے جیسے ہوا کا باندھنا۔“

کرشن جی کا جواب :- چنچل اسنشے من مہایا ہو۔ کٹھن سادھن گھنا
ابھیاس اور ویراگ سے پر چارتھ ہوتی سادھنا

یہاں بھی من کو روکنے کے لئے ویراگ کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ نہ صرف من کی ایکاگرتا کے لئے ویراگ لازمی ہے۔ بلکہ اس سنسار روپی ساگر سے پار ہونے کے لئے ویراگ ہی ایک واحد سادھن ہے۔

ترنا اس سنسار سے بناں ویراگ نہ ہوئے
بناں جہاز سمندر جیوں پار پرت نہیں کوئے

پار پرت نہیں کوے بیچ میں غوطے کھاوے لوبھ لہر میں پرے کبھی اردھ کبھی اُردھ سدھاوے
دلسراج سب چھوڑ ترو گور کھبوٹ سرنا۔ بناں ویراگیہ جہاز بھو ہر کے نہ گرنا

سنسار ساگر میں ویراگ کو جہاز اور گورو دیو کو ملاح کے روپ میں بتایا گیا ہے۔ ویراگ کی عظمت بیان کرنے کے بعد اب اس کا کارن۔ سروپ اسکی اودھی اور پھل ورنن کیا جاتا ہے۔

بقول :- دوش درشٹی ازبھیا سا
پُر بھوگ نہیں دین
برہم لوک ترنٹروت لکھے
یہ ویراگ کو چین ۔"

ویراگ کا کارن۔ دوش درشٹی یعنی وشے بھوگوں کی طرف نگاہِ حقارت رکھنا۔
ویراگ کا سروپ۔ برہم لوک تک کے بھوگوں کی اچھیا کا تیاگ۔
اودھی۔ وشے بھوگوں کو دیکھ کر اُن کا غلام نہ ہونا۔
پھل۔ برہم لوک تک کے بھوگوں کو گھاس کے تنکے کے سمان حقیر جاننا۔"

مبارک ہے وہ انسان جسے ویراگ کی روشنی پراپت ہوتی ہے اور اس کی بدولت وہ اپنے جیون کے لکھش کو پراپت کر کے نقد نجات پراپت کرتا ہے۔

ویراگ ہی کلید در نجات ہے — ویراگ ہی چشمۂ آب حیات ہے
جو اس نعمت سے فیضیاب ہوتا ہے — وہی راہ معرفت میں ثبات پر ثبات ہے

جہاں تک بن پڑے ہمارا پرم کرتویہ ہے کہ ہم اس درشٹی کو اپنائیں تاکہ حقیقی شانتی اور سرور ابدی سے فیضیاب ہو سکیں۔" اوم شم۔

اوم

قسط ۱۳

کیا ہندو قوم زندہ رہیگی؟

(مہاتما شو برت لال ورمن ایم اے)

اوم

سلسلہ کیلئے دیکھو اگست ۷۰ء

دیوالی

چوتھا تہوار دیوالی ہے۔ دیوالی دوسہرہ کے بعد آتی ہے۔ برسات کا بالکل خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اب پانی برسنے کا ذرا بھی خوف نہیں رہا۔ سب نے مکانوں کی مرمت کرلی۔ گھروں کی صفائی ہوئی ایک دن مقرر کیا گیا جب سب لوگ موسم کی تبدیلی کی خوشی میں ہون کرتے اور چراغ جلاکر خوشی منایا کرتے تھے۔ اس موسم میں انسان کا دل خودبخود یکسو ہونے لگتا ہے۔ وہ جس بات کو چاہتا ہے سوچ سمجھکر اُسکے حاصل کرنے کا انتظام کرلیتا ہے۔ اسلئے ہندوؤں نے جو علم خیال میں تمام رموز سے واقف تھے اچھی طرح غور کرنے کے بعد ایک دن مقرر کر رکھا تھا کہ تمام قوم کے افراد کے دلوں میں اس روز ایک ہی طرح کا خیال موجزن ہو۔ یہ تاکیدی حکم تھا۔ کہ اُس دن رات کے وقت کوئی بے خبری کی نیند نہ سوئے بلکہ سب کے سب جاگتے رہیں۔ اور اپنے اشٹ کی کامنا کریں کسی کا اشٹ زیر علم ہے۔ وہ اُس رات کو سرسوتی کا آرادھن کرے اور دل کے یکسو کرنے کی تمنا میں موافق خیالات کی لہروں کو جو اُس دن عام طور پر بکھرتی رہتی ہیں۔ اپنی طرف رجوع کرے تاکہ اس کا خیال اُس خاص مقصد کی تعمیل کی طاقت حاصل کرلے جبکو دولت کی خواہش ہو۔ وہ لکشمی کے تصور میں اپنی رات گذارے۔ تاکہ دولت کے متعلق جتنے خیالات آکاش منڈل میں چکر لگاتے ہوں اُسکے دماغ کی طرف کھچیں۔ اور وہ بآسانی دولت کے حاصل کرنے کے راز کو سمجھ جاوے جسکو جسمانی طاقت صحت وتندرستی کی دھن ہو۔ وہ تمام رات جاگ کر بھگوتی درگا کے دھیان میں تندرستی کی خیالی لہروں کو اپنی طرف سمیٹنے کا اہتمام کرے۔ دیوالی اس واسطے سرسوتی کی رات۔ لکشمی کی رات اور کالی کی رات کہلاتی ہے۔ سرسوتی۔ لکشمی۔ درگا۔ کالی۔ یہ علم دولت اور تندرستی کے روپک ہیں۔ کئی (مغرب زدہ) لوگ ممکن ہے۔ ہماری باتوں کو سُنکر تمسخر اڑائیں۔ مگر یہ اصلیت ہے۔ جو ہم بتاتے ہیں۔ جب قوم کے تمام افراد کسی ایک خاص مقصد کی طرف اپنی توجہ کے رُخ کو پھیرتے ہیں۔ تو انمیں خاص قسم کی طاقت آتی ہے اس طاقت کے آنے کا سبب یہ ہے کہ اس مقصد کے متعلق جو خیالات کہ آکاش منڈل میں دبے پڑے تھے وہ تقویت پاکر ابھر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اپنے اظہار کیلئے موافق دماغ بذریعہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ جس کا دل جس قسم کا ہوگا۔ اُسکو ویسے خیالات مل رہینگے اور وہ بآسانی اپنا کام کرلے گا۔ تم میں سے بہتیرے آدمیوں کو غالباً تجربہ ہوگا کہ جب تم کسی ایک بات کو سوچنے لگتے ہو تو خود بخود خیالات کی شمار دھاریں دماغ کی طرف رجوع ہوتی ہیں اور تم کو سوچنے کا سب سامان مل جاتا ہے۔ اس وقت ہمارے ہاتھ میں قلم ہے۔ ہم لکھ رہے ہیں۔ دماغ میں ایک خاص طرح کا خیال جوش مار رہا ہے۔ اور وہ جوش مارتے ہوئے اپنے تیئں محسوس کرا رہا ہے۔ پیچ لاتا ہے۔ اور ہم اُن سب کو پکڑ پکڑ کر لفظوں کی صندوق میں گرفتار کر لیتے ہیں۔ تم اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر رکھو کہ دنیا میں کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ خیالات بھی ضائع نہیں ہوتے۔ یہ خیالات آدمیوں کے دماغ سے نکل کر آکاش منڈل میں گھومتے رہتے ہیں۔ صاحب خیال آدمی تو چولہ بدل لیتے ہیں۔ مگر خیالات کہ جب کبھی موافق ظرف یعنی

دل و دماغ بل جاتا ہے۔ تب وہ اسمیں داخل ہو کر علمی جامہ پہننے کی خواہش کرتے ہیں۔ غور کرنے والے جانتے ہوں گے کہ اکثر ایک ہی وقت ایک طرح کے خیالات بہت سے آدمیوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ایک قسم کی کتابیں بہت سے آدمی لکھ مارتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی طرح کی ایجادیں ہوتی ہیں۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ جن جن آدمیوں میں خاص قسم کی قابلیت ہے وہ کسی خاص طرح کے خیالات کو اپنی طرف رجوع کر کے اپنی قابلیت کو تقویت دیتے ہیں۔ اور وہی کام کر گذرتے ہیں۔ کبھی کبھی جب ایک ہی خیال بہت سے شاعروں کے دل میں گذرتا ہے۔ نادان جاہل کہتے ہیں۔ ایک نے دوسرے کی چوری کی ہے مگر دراصل چوری نہیں ہوئی سب نے براہِ راست خیالات کے بھنڈار سے اپنے اپنے خیال حاصل کئے۔

ہندوؤں نے بڑی عقلمندی و دانائی کے ساتھ ان انسٹی ٹیوشنوں کی بنیاد رکھی تھی۔ ہندو قوم کے افراد چاہے جہاں ہوں۔ جو وقت جس کام کیلئے مخصوص تھا سب اُسی وقت اس کام کو کرتے تھے۔ مثلاً ہولی جلانے کا وقت ۱۱ بجے رات تھا۔ کلکتہ بنارس لاہور۔ پشاور وغیرہ سب جگہ کے ہندو پنڈت سے پوچھکر اُسی وقت ہولی جلائینگے۔ تاکہ ایک خیال والوں کو ایک ہی وقت میں ایک خاص طرح کا مفاد حاصل ہو سکے اور جو سرسوتی کے چاہنے والے ہیں وہ اس رات ری کو ودیا بدھی کے خیالات پا سکیں۔ جو لکشمی کے خواستگار ہیں۔ دھن دولت کے ذریعہ جان سکیں۔ جو درگا کے متمنی ہیں وہ صحت و طاقت اور جسمی مضبوطی کے خیالات اپنے میں جذب کرسکیں یہ تہواروں کی فلاسفی تھی۔ یہاں کوئی کام فلسفہ سے خالی نہیں تھا۔ مگر لوگوں نے انکی مٹی پلید کر دی۔ دیوالی کی رات جوا کھیلنے میں ختم کر دی۔ افسوس! جن باتوں کو ہمارے بزرگوں نے قومی تقویت کے ذریعہ بنائے تھے وہی آج ہماری بربادی کا باعث بن رہے ہیں۔ تہواروں کی اصلیت کو نہ سمجھتے ہوئے آج ہندو کس طرح ذلت و بربادی کے منہ میں چلے جا رہے ہیں۔ **ہولی** جو قومی اتحاد۔ قومی یکجہتی کا تہوار تھا۔ فحش گیت گانے شراب پینے اور بدمست بننے اور لڑائی جھگڑے پیدا کرنے کا دن بن گیا ہے۔

رکشا بندھن جو قومی فرائض اپنی قوم کی نازک خدمات کی یاد دہانی کا دن تھا آج بھیکھ مانگنے کا تہوار بن گیا ہے۔"

دسہرہ۔ جو قومی طاقت کے اکٹھا کرنے کی تقریب تھی۔ آج بچوں کے سوانگ تماشوں کی نمائش ہے۔"

اے ہندوؤ! تم نے کس طرح غلطی سے ان تہواروں کو ٹھوکریں لگائیں۔ یہ تہوار قومیت کی عمارت کے مضبوط ستون تھے۔ جو جہاں رہتا تہوار ضرور مناتا۔ لوگ پردیس سے اپنے گھر محض تہوار منانے آیا کرتے تھے۔ گو وہ اس فلسفہ کو نہ جانتے رہے ہوں جو ہم نے بیان کیا ہے مگر وہ ان تہواروں کو مناتے ضرور تھے جس سے ہماری قومیت بنتی تھی۔ لیکن آج انگریزی پڑھے لکھے مغربی تہذیب یافتہ لوگ ان تمام سناتن رسم و رواج کو (مکار دشمن انگریزوں کی ایما پر) ان تہواروں کو ابتدائی وحشیوں کی تقریب سمجھکر ڈھا رہے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے ڈھ جانے سے (یعنی ختم ہو جانے سے) وہ قومی عمارت بھی گر جائیگی جس کے سایہ کے تلے ہم تم سب لوگ چین کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تیوہاروں کے اگر فلسفہ کو علیٰحدہ بھی کر دیا جائے۔ تب بھی۔ ان سے قومی خصوصیت کی یاد دہانی ہوتی رہتی ہے۔ اپنی خصوصیت کو جواب دینا موت کو براہِ راست پیغام دینا ہے۔ خود موت کے منہ میں کودنا ہے۔ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہر قوم کے افراد میں اس کی خصوصیت کا رہنا بھی لازمی امر ہے۔ ہندو تیوہاروں کا منانا ہندو دل کا دھرم اور کرم تھا۔ ان کے دور ہو جانے سے ہندو پن کی خصوصیت کافور ہو جائے گی۔"

(باقی پھر)

چہار درویش (مسلسل)

اوم

(از قلم منشی سورج نرائن جی مہر)

چوتھے سادھو کی کہانی

بچار سے دنیا کی بے ثباتی

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے | پیری کا بھی سب عذاب دیکھا ہم نے
ہستی ہے مہر مثل امواج سراب | یا جیسے رات خواب دیکھا ہم نے

ایک مہاتما جن کا نام آتما نند تھا۔ کہنے لگے۔ مہاراج! شیام بہاری کی آنکھیں ایک میلے کے خاتمے نے کھول دیں۔ یہ محض ایک اتفاقیہ امر تھا۔ اُسی پھول والوں کی سیر میں اور بھی ہزاروں آدمی تھے۔ انکی طبیعت میں میلے کا خاتمہ دیکھ کر بیراگ پیدا نہیں ہُوا۔ شیام بہاری کے پچھلے جنموں کے کرم بہت اچھے سمجھنے چاہئیں۔ کہ ایک ایسے واقعے سے جس کا اثر اوروں کے دل پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ کرتارتھ ہو گئے۔ پس میری صلاح عام ہے کہ دنیا کی بے ثباتی کو دل میں جگہ دینے کے واسطے ایسا طریق اختیار کرنا چاہیئے جو ہر شخص کی دسترس میں ہو۔ اور جس سے ہر ایک آدمی یکساں فائدہ اُٹھا سکے۔ خاص واقعات کا اثر خاص طبیعتوں پر بیشک اچھا ہوا کرتا ہے لیکن ہمیں ایک ایسے اُصول عامّہ کی تلاش لازم ہے۔ جو عوام الناس اور خواص دونوں کے لئے ہی یکساں فائدہ بخش ثابت ہو۔"

یہ انسان کی زندگی ہے۔ جو بچپن سے لگا کر پیری تک خود ایسی چیز ہے کہ ہر ایک کی آنکھیں کھولنے کے واسطے کافی ہے۔ ہاں چشم بینا اور دل دانا درکار ہے کنج تنہائی میں بیٹھ کر آدمی ذرا غور سے سوچے اور نگاہ غور سے دیکھے تو اُسے اپنی ہی حیات کا نقشہ بالکل خواب کا سا نقشہ معلوم ہوگا۔ کسی حالت کو قیام نہیں۔ کسی حالت کو دوام نہیں۔ ہر ایک چیز اس طرح بدلتی ہے۔ جس طرح کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ میں نے شروع سے سوچنے والی طبیعت پائی تھی۔ اور زندگئے گزراں کے مناظر مختلفہ کو اسی طرح دیکھتا رہا کرتا تھا۔ جس طرح کوئی خواب دیکھتا ہو۔ یہ خیال طبیعت پر ایسا مسلّط ہُوا کہ ایک رات میں نے اپنی تمام و کمال زندگی خواب کی صورت میں دیکھی۔ یہ خواب کیا میرے لئے ایک بشارت غیبی تھی۔ جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ چونکہ اس کا بیان لطف سے خالی نہیں۔ اسلئے گوش گزار کرتا ہوں۔ سُنئے مہاراج!

خواب زندگی

کل رات عجب خواب دیا مجھ کو دکھائی | حیرت میں ہوں وہ خواب تھا یا شانِ خدائی
چشم دلِ حیراں میں وہ عالم ہے ابھی تک | پھرتی ہے نگاہوں میں وہ نقشوں کی صفائی

ہر چند کہ سوچا دلِ دانا نے بہت سا
پر بات کبھی بار بایک سمجھ میں نہیں آئی
ہے ہدیۂ احباب میرا خواب شبیہ
تعبیر میں ذرکار ہے دانش کی رسائی

کیا دیکھتا ہوں باغ ہے اک دلکش و مرغوب
انہار رواں اور عمارات خوش اسلوب
نعمت ہے ہر قسم کی موجود و مہیا
واں کوئی بھی شئے ہے نہ کسی شخص کو مطلوب
ہر روز ہے عید اور ہر اک شب ہے شبِ قدر
آرام سے ایام گزرتے ہیں بہت خوب
یاد آیا ہے وہ عالم تسکین و سکوں جب
مایوسی و حسرت میری آنکھوں پہ ہے چھائی

اس عالم راحت میں گزرتی ہے کہ اک پیر
آتا ہے میرے پاس نہ ہے خوبئ تقدیر
بشرے سے برستی ہے بڑی شان جلالی
چہرے سے عیاں نور جمالی کی ہے تنویر
ہے تیر قضا اس کی نگاہ غضب آلود
اور آنکھ ہے بس ہولت و اجلال کی تصویر
وہ آکے میرے پاس یہ کہتا ہے کہ اے شخص
تو یاں سے نکل تیری تھی اتنی ہی کمائی

(باقی پھر)